قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی

بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ

ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF
DEOBAND

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم

دفتر ماہنامہ

ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

ضلع سہارنپور، یوپی (انڈیا)

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

جلد نمبر ۱۸	محرم الحرام ۱۴۴۸ھ مطابق جولائی ۲۰۲۶ء	شمارہ نمبر: ۱

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

شرح خریداری

فی شمارہ	۳۰/روپے
سالانہ علاوہ ڈاک خرچ	۳۶۰/روپے
سالانہ مع ڈاک خرچ	۵۵۰/روپے
تاعمر	۶۰۰۰/روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے آپ کی مدتِ خریداری مکمل ہوچکی، رسالہ جاری رکھنے کے لئے دفتر سے رابطہ کریں۔

شائع کردہ: شعبۂ نشر واشاعت، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND

SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554

Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedarululoom@gmail.com

☆ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ قانونی چارہ جوئی کا حق صرف مقامی عدالت کو ہوگا۔

اس شمارے میں

اداریہ

احتسابِ نفس: تعمیرِ ذات کی خشت اساس	حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب	۳

مقالات و مضامین

حضرت یوسفؑ کا واقعہ	مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی	۱۳
اعضا و اجزاء انسانی کا عطیہ	مولانا امانت علی قاسمی	۱۸
تخصص کے طلباء میں مصنوعی ذہانت.....	ڈاکٹر مبشر رحمانی	۲۷
نفلی روزوں کے فضائل	مولانا عصمت اللہ نظامانی	۳۱
ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ	ڈاکٹر فہد انوار	۳۶
کرپٹوگرافی: عہد بہ عہد	مولانا سالم برجیس ندوی	۴۱
اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان	مولانا ریاض فردوسی	۴۶
حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	مولانا نفیس الحسنی	۵۰

خبر نامہ

احوال وکوائف	ادارہ	۵۵

ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' دارالعلوم وقف کی ویب سائٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ **Website: www.dud.edu.in**

نوٹ : خریدار حضرات رسالہ سے متعلق ضروری معلومات کے لئے اوقاتِ دفتر ۸ تا ۲ بجے ہی رابطہ کریں۔ +91 8439412767, +91 8439512767

اداریہ

احتسابِ نفس: تعمیرِ ذات کی خشت اساس

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ ❖

خود احتسابی کے زاویۂ نگاہ سے کیا جانے والا سنجیدہ اور غیر جانب دار مطالعہ انسانی تاریخ کے ایک نہایت اہم اور بنیادی مگر تلخ نفسیاتی وتہذیبی حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ انسان بالعموم اپنی ناکامیوں محرومیوں اور زوال کے اسباب کا تجزیہ کرتے وقت داخلی علل واسباب کے اعتراف کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے گریز کرتا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں حقیقت کا وہ غیر مصلحت آمیز اور بے نقاب چہرہ سامنے آجاتا ہے جس کا سامنا کرنے کے لیے انسان کا نفس آمادہ نہیں ہوتا اور انسان اپنی ذات کے اُن تاریک گوشوں کو دیکھنے سے بچنا چاہتا ہے جہاں اس کی کمزوریاں فکری مغالطے اخلاقی لغزشیں نیتوں کے انحرافات اور کردار کے تضادات پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے وہ اکثر حقیقت کے اُس آئینے سے نظریں چرالیتا ہے جو اسے اس کی اصل داخلی حالت دکھاتا ہے دریں صورتحال انسانی نفس اپنی خود ساختہ برتری معصومیت اور حقانیت کے تصور کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسی تعبیرات اور توجیہات تلاش کرتا ہے جو اسے وقتی اور فریب خوردہ ذہنی سکون و اطمینان تو فراہم کردیتی ہیں مگر حقیقتِ حال کے دوررس ادراک ونتائج سے محروم رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ خود احتسابی کے نتیجہ میں سامنے آنے والی حقیقت کو قبول کرنا کمزور اعصاب رکھنے والے انسان کے لیے سب سے دشوار گزار مرحلہ بن جاتا ہے کیونکہ اس صورت حال میں انسان کو دوسروں کے بجائے اپنی ذات کے خلاف خود ہی گواہی دینی پڑتی ہے جبکہ اس کے برخلاف خارجی علل وعوامل اغیار کی خفیہ واعلانیہ تدابیر ناسازگار حالات وماحول اور دوسرے افراد واقوام کو موردِ الزام ٹھہرانے میں زیادہ سہولت اور آسانی محسوس کرتا ہے اور یہ محض ایک وقتی وجذباتی ردِّعمل ہی نہیں بلکہ انسانی نفس کی ایک قدیم اور گہری نفسیاتی کمزوری ہے جسے قرآنِ حکیم نے بھی بیان فرمایا ہے سنتِ نبویؐ نے بھی علمی وعملی سطح پر مختلف مواقع پر مختلف اسالیب

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

میں واضح فرمایا اقوالِ سلف نے بھی جا بجا حسب موقع ومحل اس عمومی کمزوری کی نشان دہی کی ہے اور جدید نفسیات نے بھی اسے انسانی ذہن کے دفاعی میکانزم کی کمزوری کے طور پر تسلیم کیا ہے۔

اگر اس حقیقت کو خالص انسانی نفسیات کے زاویئے سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انسان کا نفس اپنی کمزوریوں کے اعتراف میں حتی الامکان گریز کرنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اپنی غلطی کو تسلیم کرنا اس کے لیے اپنی انا خود پسندی وخودداری اور داخلی شخصیت کی ساخت پر ایک ایسی ضرب کو محسوس کیے جانے کے مترادف ہے جو اس کے خود ساختہ تصورِ ذات کو مجروح کرتا ہے اسی لیے اخلاقی تعلیمات میں اپنی غلطی کے اعتراف کو بلند حوصلگی فکری پختگی منصوبہ سازی اور اخلاقی شجاعت کی علامت قرار دیا گیا ہے خواہ معاملہ انفرادی زندگی سے تعلق رکھتا ہو یا اجتماعی حیات سے ملکی سطح پر درپیش ہو یا بین الاقوامی سطح پر اپنی ذات ومفادات کے خلاف سچ بولنا درحقیقت نفس کی سب سے بڑی تربیت اور کردار کی سب سے اعلیٰ آزمائش ہوتی ہے، تاریخ اس حقیقت پر بھی شاہد عدل ہے کہ وہ عظیم شخصیات جنہوں نے اپنے مضبوط اعصاب، آہنی عزم غیر متزلزل حوصلے اور جرأتِ کردار کے بل پر صدیوں تک قوموں کی تقدیر سنوارنے اور ان کے مستقبل کو ہمہ جہت میدان عمل میں عزت وسر بلندی سے ہم کنار کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے ان کے نمایاں اوصاف میں ایک نہایت درخشاں وصف یہ بھی تھا کہ وہ بشری کمزوریوں کے تحت سرزد ہو جانے والی اپنی لغزشوں کا اعتراف کرنے میں تأمل سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ وہ جرأتِ اعتراف، محاسبۂ نفس، اور اصلاحِ احوال کے جذبے کو اپنی شخصیت کی بنیادی قوت سمجھتے ہوئے مسلسل خود احتسابی اور اصلاحِ باطن کی راہ پر گامزن رہتے تھے، یہ تو برسبیل تذکرہ اُن غیر معمولی اور تاریخ ساز شخصیات کا حال ہے جنہوں نے اپنی عظمتِ کردار کا ثبوت صرف میدانِ عمل میں جرأت واستقامت کے ذریعے ہی نہیں دیا بلکہ اپنی کمزوریوں کے اعتراف اور اصلاحِ نفس کو بھی قدم بہ قدم ساتھ رکھا لیکن دوسری جانب یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ناقابلِ انکار ہے کہ عام انسانی مزاج اس بلند معیارِ خود احتسابی تک بآسانی نہیں پہنچ پاتا بلکہ عمومی طور پر نفسِ انسانی کی اکثر یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی ناکامیوں کے اصل سرچشمے کو اپنے باطن کے بجائے خارج میں تلاش کرے تاکہ اس کا ضمیر وقتی طور پر مطمئن رہے اور اس کی خود ساختہ برتری کا احساس مجروح نہ ہو یہی وجہ ہے کہ فرد ذات سے لے کر اقوام وملل تک اکثر اپنی عملی پستیوں اور اخلاقی انحطاط کا تجزیہ کرتے وقت اپنے اندر موجود فکری انتشار، اخلاقی زوال، ضعفِ ارادہ، نفاقِ کردار، بے عملی وبد عنوانی حسد وغرور، خود غرضی اور قرار واقعی حقائق سے فرار جیسے داخلی امراض کا جائزہ لینے کے بجائے بیرونی اسباب زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں چنانچہ قرآن کریم نے وسیع تر اجتماعیت کے تناظر میں جو کہ طبعاً انفرادیت کو بھی محیط ہے اس حقیقت کو نہایت واضح اور فیصلہ کن انداز میں بیان فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (۱)

---

(۱) سورۂ رعد، آیت:۱۱

کہ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی داخلی حالت کو نہ بدل دے یہ آیت کریمہ بلا تفریق ادیان و مذاہب اور امم واقوام تمام بنی نوع انسانی کی تاریخ کے پورے فلسفۂ عروج وزوال کی بنیاد اور اساس ہے، قرآن حکیم یہاں یہ اصول متعین کرتا ہے کہ معاشروں میں آنے والی ہمہ گیر تبدیلیوں کا حقیقی منبع انسان کی اندرونی کیفیتوں کے انقلاب کی جہد مسلسل اور سنجیدہ فکر تدابیر سے مربوط ہے قوموں کے حالات کا تعلق محض سیاسی یا معاشی قوتوں سے نہیں بلکہ ان کے فکری واخلاقی اور روحانی مزاج کے گہرے ربط وتعلق سے ہوتا ہے چنانچہ جب کسی قوم کے اندر صداقت کی جگہ مفاد پرستی، امانت کی جگہ خیانت، عدل کی جگہ ظلم، علم کی جگہ جہالت اور صداقت واخلاص کی جگہ نفاق وریاکاری پیدا ہوجائے تو اس کا زوال بیرونی حملوں سے پہلے اس کے اندر سے شروع ہو چکا ہوتا ہے اور دانا دشمن کے لیے سامنے والے کو پسپائی کے خوف میں مبتلاء رکھنے کا یہ سب سے بہترین اور برمحل موقع ہوتا ہے اسی حقیقت کو ایک دوسرے مقام پر مزید واشگاف تہذیبی وتاریخی اسلوب میں قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (۱) کہ تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے، یہ آیت کریمہ انسانی ذمہ داری کے ایک زریں اصول کو واضح کرتی ہے کہ قرآن مجید انسان کو محض حالات کا مجبور شکار قرار نہیں دیتا بلکہ اسے اپنے اقوال، افعال، اعمال، رویّوں، انتخاب اور قدرت واختیار کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی فکر میں محاسبۂ نفس کو روحانی ترقی اخلاقی اصلاح اور اجتماعی استحکام کی خشت اساس قرار دیا گیا ہے شریعت میں خود احتسابی کو اس قدر غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود احتسابی یعنی محاسبۂ نفس کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہوئے اس کو ایمان وتقویٰ اور آخرت کی تیاری کا بنیادی عنصر قرار دیا ہے اگرچہ اس موضوع پر درپیش حالات کے سیاق وسباق کے تعلق سے احادیثِ نبویہ میں ہدایات کا ایک وسیع اور وقیع ذخیرہ موجود ہے، تاہم اختصار کے پیشِ نظر استشہاد وتمثیل کے تناظر میں یہاں پر صرف دو احادیث کے تذکرے پر اکتفاء ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حقیقی عقل مندی اور دانائی کا اعلیٰ ترین معیار محاسبۂ نفس کو قرار دیتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ اصل عقل مند وہ نہیں جو محض دنیاوی معاملات میں چابک دستی فکری چالاکی یا عارضی طور چند روزہ مادی کامیابی حاصل کرلینے کو عروج وبلندی سمجھ بیٹھتا ہے بلکہ حقیقی طور پر صاحبِ عقل وہ ہے جو اپنے نفس اپنے اعمال اپنی خواہشات اور اپنی زندگی کے ہر ایک گوشے کا تسلسل کے ساتھ اپنی باطنی اصلاح اور مستقبل ساز کوششوں کے نقطۂ نظر سے گذرتے وقت کے تناظر میں ہمہ دم جائزہ لیتا رہے اور جس کا مطمح نظر اپنے عیوب ونقائص کی اصلاحات اخلاق وکردار کی تطہیر باطن کی تہذیب، اعمال کی درستگی اور بروزِ محشر ربِّ کریم کی بارگاہ میں جواب دہی کے احساس کے ساتھ اپنی زندگی کو اس نہج پر استوار کرنا ہو جو رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت کا ذریعہ بن سکے۔

---

(۱) سورۂ شوریٰ، آیت: ۳۰

اسی حقیقت کو حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ جامع حدیث نہایت مؤثر انداز میں واضح کرتی ہے کہ انسان کی حقیقی دانائی اپنی زندگی کو رضائے حق اور فلاحِ آخرت کے اصولوں پر استوار کرنے میں مضمر ہے عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ (۱) کہ دانش مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے جبکہ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے اور پھر اللہ سے بے بنیاد امیدیں وابستہ رکھے، مزید برآں کتاب الدعوات میں امام بخاری رحمہ اللہ ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ (۲) کہ مومن اپنے گناہوں کو اس شخص کی طرح دیکھتا ہے جو کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا اور ڈرتا ہو کہ وہ اس پر گر پڑے گا جبکہ فاجر اپنے گناہوں کو ایسی مکھی سمجھتا ہے جو اس کی ناک پر سے گزر گئی ہو، یہ حدیث دراصل ضمیر کی بیداری نگرانی نفس کی مداومت اور روحانی احتساب کی کیفیت کو واضح کرتی ہے نیز اسی موضوع تسلسل کے ذیل میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ایک معروف اثر نقل فرمایا ہے جسے محدثین واہلِ سلوک نے اصولِ محاسبہ اور امت کے اکابر نے اسے نبوی تعلیمات کی روح کا ترجمان قرار دیا ہے فرماتے ہیں حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَزِنُوا أَعْمَالَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُوزَنَ عَلَيْكُمْ (۳) کہ اپنا حساب خود لے لیا کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کو تول لیا کرو قبل اس کے کہ وہ تم پر تولے جائیں۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تربیت میں محاسبۂ نفس محض ایک اخلاقی نصیحت ہی نہیں بلکہ تزکیۂ نفس اصلاحِ باطن اور آخرت کی کامیابی کے حوالے سے حساب نفس کا یہی وہ اہم ترین بنیادی اصول ہے جس کی عملی تصویر ایک سچے مؤمن کی زندگی میں نمایاں ہوتی ہے چنانچہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ دوسروں کے احتساب سے پہلے اپنی ذات کے ظاہر و باطن، نیت واعمال، اور نفسانی خواہشات کا خود ہی جائزہ لیتا رہے کیونکہ جو فرد اپنی کمزوریوں کو دیکھنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے تو گویا اس نے اپنی اصلاح کی استعداد کے راستوں کو خود ہی مسدود کر دیا ہوتا ہے اور یہی صورت حال اجتماعی سطح پر بھی درپیش آتی ہے جب کہ قومیں جو اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرنے اور ان کی اصلاح کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے خود فریبی کا شکار ہو جاتی ہیں تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ایسی اقوام نے بارہا ذلت ورسوائی، شکست و

(۱) سنن ترمذی، حدیث: ۲۴۵۹ (۲) صحیح البخاری، ۶۳۰۸ (۳) محاسبۃ النفس، لابن ابی الدنیا، ص: ۴۴

ناکامی اور زوال وانحطاط کا سامنا کیا لیکن پے در پے تجربات کے باوجود نہ ہی تو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنے اور اصلاحِ احوال کی طرف آمادۂ توجہ نظر آتی ہیں اور نہ ہی تاریخی وقائع سے سبق لینے پر تیار ہوتی ہیں، جدید نفسیات بھی اس حقیقت کی تائید کرتی ہے کہ انسان اکثر اپنی ناکامیوں کی ذمہ داری دوسروں پر منتقل کرکے اپنے ذہنی سَراب یعنی فریب نظر کی وقتی طمانینت میں سکون کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے، علم النفسیات میں اس رجحان کو اپنے عیوب ونقائص کو دوسروں پر چسپاں کرنے کا عمل قرار دیا جاتا ہے یعنی انسان بسا اوقات اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کی ذمہ داری دوسروں پر عائد کرکے خود کو جواب دہی سے بری الذمہ سمجھ بیٹھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ناکام انسان اپنی ناکامی کو حالات کی سازش کہتا ہے اور متکبر انسان اپنی تنہائی کا سبب دوسروں کی بے وفائی کو قرار دیتا ہے اور زوال پذیر قومیں اپنی اخلاقی شکست کے اسباب درون خانہ تلاش کرنے کے بجائے بیرونی دشمنوں کے خوف کو اصل مسئلہ سمجھنے لگتی ہیں تاریخ شاہد ہے کہ جن اقوام نے اپنی داخلی اصلاحات کو نظر انداز کیا وہ محض بیرونی قوتوں کو موردِ الزام ٹھہرا کر کبھی ترقی نہیں کرسکیں ہسپانیہ کا زوال ہو یا سقوطِ بغداد، برصغیر کی سیاسی شکست ہو یا جدید مسلم دنیا اور مشرق وسطیٰ کی فکری کمزوری ان تمام سانحات کے پس منظر میں صرف بیرونی حملہ آوری ہی نہیں کارفرما تھی بلکہ غیر جانب دارانہ مطالعہ بتاتا ہے داخلی انتشار، علمی جمود، اخلاقی انحطاط، قیادت کی کمزوریاں اور باہمی تفریق کے مؤثر عوامل کے متعدد اسباب بھی قدم بہ قدم برسرِ عمل نظر آئیں گے خارجی دشمن اکثر اس وقت غالب آتے ہیں جب اندرونی دیواریں پہلے ہی کھوکھلی ہوچکی ہوتی ہیں اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن کبھی کبھی اس کے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر ہوتا ہے نفس کی غفلت، عقل کی تعصب آمیزی، خواہشات کی غلامی، اور ضمیر کی خاموشی یہ وہ عوامل ہیں جو انسان کو حقیقت شناسی کی صلاحیتوں سے محروم کردیتے ہیں اور جب معاشرہ خود احتسابی کی صلاحیت کھو بیٹھتا تو وہاں تنقید دشمنی اور نصیحت توہین محسوس ہونے لگتی ہے جو اصلاح کے بجائے الزام تراشی کے اجتماعی فروغ کے مزاج کا سبب بن جاتا ہے درحقیقت خود احتسابی صرف ایک اخلاقی وصف نہیں بلکہ تہذیب کی بقا کا بنیادی اصول ہے وہ فرد واجتماعیت جو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرسکتے ہوں اور اپنی ہمہ جہت اصلاحات کی قوت بھی رکھتے ہوں اور وہ قوم جو اپنی کمزوریوں کا بے لاگ تجزیہ کرسکے تو اس کے اندر دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے کی استعداد باقی رہتی ہے لیکن جب انسان اپنی تمام تر ناکامیوں کا سبب صرف دوسروں کو سمجھنے لگے تو وہ دراصل اپنی اصلاح کے تمام دروازے خود پر بند کردیتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے زوال کا حقیقی سفر شروع ہوتا ہے حالانکہ قرآنِ کریم سورۃ الرعد کی آیت میں نہایت واضح اور واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (۱)

---

(۱) سورۂ رعد، آیت: ۱۱

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کرے دراصل یہ آیت انسانی زندگی کے عظیم ترین نفسیاتی واخلاقی اور تمدنی اصولوں کے زریں مسلمات ومبادیات میں سے ایک ہے جس میں واضح کردیا گیا کہ تبدیلی کی بنیاد باہر نہیں بلکہ اندر ہے کیونکہ قوموں کی تقدیر ان کے باطن سے جنم لیتی ہے زوال کی جڑیں بھی اندر سے ہی پنپنا شروع ہوتی ہیں اور عروج بھی داخلی اصلاحات سے پروان چڑھتا ہے اسی لیے سورۃ القیامۃ کی آیت بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ (۱) بلکہ انسان تو اپنے نفس کے احوال پر خود ہی بصیرت رکھتا ہے یہ آیت انسان کے اُسی باطنی ادراک اور اخلاقی بیداری و ذمہ داری اور شعورِ احتساب کی ترجمانی کرتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے خیر وشر، حق وباطل اور درست و نادرست کی آگاہی رکھتا ہے لیکن انسان اپنی حقیقت واعمال کے نتائج سے بخوبی واقف ہونے کے باوجود نفس کی فریب کاری اور خواہشات کی غلامی کے سبب اپنے عیوب ولغزشوں کے اعتراف اور اصلاحِ احوال سے گریز پر آمادہ رہتا ہے کیونکہ شیطان کا پہلا دام فریب یہی ہے کہ الزام دوسروں پر ڈال دو چنانچہ قرآنِ مجید کی روشنی میں شیطان کی تمرد پسندانہ طبیعت ونفسیات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سب سے پہلی اخلاقی شکست ہی یہی تھی کہ اس نے اپنی نافرمانی کا سبب خود کو نہیں سمجھا بلکہ حکمِ الٰہی کی حکمت کو سمجھنے کے بجائے خارجی علتیں تلاش کیں اور اپنی سرکشی کے لیے تخلیقی برتری کو جواز بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (۲) (میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے) گویا کہ شیطان نے اپنی متکبرانہ سوچ حسد اور باطنی فساد کا اعتراف نہ کیا بلکہ اپنی برتری کا جواز تراش کر اپنی گمراہی کو عقلی رنگ دینے کی کوشش کی چنانچہ یہی نفسیات آج انسانوں میں بھی موجود ہے ایک ناکام طالب علم نظامِ تعلیم کو الزام دیتا ہے، ناکام تاجر صرف کساد بازاری کو ذمہ دار سمجھتا ہے، قومیں اپنی عاقبت نااندیشانہ سوچ کو دشمنوں کی فریب کاری ومکاری کے سر ڈال کر اپنے کو بری الذمہ اور معصوم قرار دیتی ہیں جبکہ اصل خرابی اکثر داخلی کمزوریوں، فکری انتشار، اخلاقی زوال بر خود غلط فیصلوں یا عملی سستی میں مضمر ہوتی ہے جبکہ قرآنِ کریم نہایت صراحت سے فرماتا ہے: وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (۳) کہ تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے یہ ہدایت انسانی زندگی کے اس اصول کی جانب واضح طور پر مشیر ہے کہ انسان کے اعمال ہی اس کی تقدیر کی تشکیل میں مؤثر ہیں کیونکہ مصیبت کا اطلاق محض ظاہری آفات پر ہی نہیں ہے بلکہ فکری شکست، اخلاقی پستی، روحانی بے سکونی، معاشرتی انتشار اور تمدنی زوال اس میں سب کچھ شامل ہے۔

قرآنِ حکیم نے امتوں کے زوال کا تجزیہ کرتے ہوئے بار بار داخلی خرابیوں کی طرف اشارہ کیا

---

(۱) سورہ قیامہ، آیت: ۱۴　(۲) سورۂ اعراف، آیت: ۱۲　(۳) سورۂ شوریٰ، آیت: ۳۰

ہے بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب بیرونی طاقت نہیں تھی بلکہ ان کی اخلاقی بغاوت اور انبیائی تعلیمات سے شعوری انحراف تھا اور ہماری تاریخ میں اس حقیقت کی ایک روشن مثال غزوۂ اُحد میں نظر آتی ہے کہ مسلمانوں کو شکست کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟ اس واقعے نے یہ حقیقت آشکار کردی کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی ان شرائط کے ساتھ مخصوص اور وابستہ ہیں جو انہوں نے مقرر فرمائی ہیں چنانچہ جب جب ان شرائط میں خلل واقع ہوا تو اس کے نتائج بھی ظاہر ہوئے، جیسا کہ قرآنِ کریم نے فرمایا: حَتّٰی إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ (۱) یہاں تک کہ تم کمزور پڑ گئے آپس میں اختلاف کرنے لگے اور تم نے نافرمانی کی ظاہر ہے کہ یہ شکست دشمن کی طاقت سے زیادہ مسلمانوں کی داخلی کمزوری یعنی اختلاف رائے اور حکم رسول ﷺ کے تاکیدی فرمان سے کچھ لوگوں کے غلط فیصلے کے نتیجہ میں غیر ارادی انحراف کا انجام تھا گویا قرآن کریم ہمیں یہ سکھا رہا ہے کہ خارجی دشمن غالب ہی اس وقت ہوتے ہیں جب اندرونی نظام کمزور ہو جاتا ہے جدید نفسیات میں ایک اصطلاح احساسِ مظلومیت یا مظلومانہ ذہنیت استعمال ہوتی ہے، جس کے مطابق انسانی کمزوریوں میں سے ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں غلط فیصلوں اور فکری لغزشوں کا بے لاگ جائزہ لینے کے بجائے اپنی ناکامیوں و محرومیوں اور درپیش مشکلات کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے اور وہ اپنے نفس کا احتساب کرنے کے بجائے حالات و ماحول یا افراد پر الزام عائد کر کے اپنے لیے عذر و جواز تلاش کرتا رہتا ہے اسلام اس منفی اور غیر ذمہ دارانہ ذہنیت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور مؤمن کو ایک بیدار و ذمہ دار اور فعال حیثیت سے ایک ایسی صاحبِ ارادہ شخصیت کے طور پر دیکھنا چاہتا ہے جو حالات کے بہاؤ میں بہہ جانے کے بجائے اپنے شعور و بصیرت اور قوتِ فیصلہ کو بروئے کار لائے اسی لیے قرآنِ حکیم نے فرد و ملت کی تعمیرِ نو، اصلاحِ باطن اور احوال و ظروف کی تبدیلی کے لیے انسانی سعی و عمل کی اہمیت کو متعدد مقامات پر مختلف اسالیبِ بیان اور متنوع تعبیرات کے ساتھ نمایاں فرمایا ہے لہٰذا از روئے قرآن بھی اور از روئے نفسیات بھی دیکھا جائے تو حقیقی کامیابی کا نقطۂ آغاز انسان کے باطن سے ہوتا ہے جس کے اجزائے لازم فکر کی اصلاح، نیت کے اخلاص، محاسبۂ نفس، عادات کی درستی، علم و حکمت کی رہنمائی، صبر و استقامت، اور اپنی لغزشوں کے اعتراف کے بغیر نہ فرد کی تعمیر ممکن ہے اور نہ قوموں کی تقدیر سنور سکتی ہے۔

لہٰذا سب سے پہلی ضرورت ہے کہ تخلیقی حقیقت و ماہیت کے نقطۂ نظر سے غور کیا جائے کہ ذات حق جل مجدہ نے اس عالمِ کون و مکان کا فطری مزاج اسباب و علل کے تابع بنا کر افعال انسانی میں اسی کو مرکزی و محوری عامل قرار دیا ہے اسی لیے علل و معلول اور اسباب و مسببات کا قانون دراصل حکمتِ الٰہیہ کا ایک عظیم مظہر ہے جس کے تحت حق تعالیٰ شانہ نے عالمِ شہادت میں ایک ایسا مربوط و منظّم اور باقاعدہ نظام

---

(۱) سورہ آل عمران، آیت: ۱۵۲

قائم فرمایا ہے کہ ہر اثر کسی نہ کسی سبب سے اور ہر نتیجہ کسی نہ کسی مقدمہ سے وابستہ نظر آتا ہے تاکہ انسان اس ظاہری ربط و ترتیب کے پردے میں کارفرما اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت، حکمتِ ربانی اور سننِ الٰہیہ کو پہچان سکے چنانچہ اسی حقیقت کے پیشِ نظر یہ سمجھنا بھی ایک دینی و عقلی اور عملی ذمہ داری ہے کہ اسلام کے قانونِ شریعت میں رحمت و عفو اور توبہ و استدراک کی وسیع گنجائش موجود ہے لیکن قانونِ فطرت اور غیر مبدّل سننِ الٰہیہ کے دائرے میں نتائج کا ظہور بالطبع غیر جانب دارانہ اور بے لاگ انداز میں ہوتا ہے وہاں مذاہب و ادیان اور نسل و قوم یا طبقے کی بنیاد پر کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا ہے، زہر اگر مؤمن کھائے گا تو وہ بھی ہلاک ہوگا اور اگر غیر مؤمن اسے استعمال کرے گا تو اس کا انجام بھی مختلف نہیں ہوگا، آگ میں ہاتھ ڈالنے والا خواہ صالح ہو یا فاسق، مسلم ہو یا غیر مسلم آگ کی خاکستر کر دینے کی خاصیت سب کے لیے یکساں رہے گی اسی طرح صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی جس شخص سے بھی سرزد ہوگی وہ بیماریوں اور جسمانی کمزوریوں کا سبب بنے گی اور ایسے ہی جو شخص بلندی سے گرے گا تو زمین کا قانونِ ثقل اس کے ساتھ اس کی مذہبی وابستگی کی بنیاد پر کوئی مختلف معاملہ نہیں کرے گا یہی اصول اجتماعی اور تمدنی زندگی میں بھی پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہے جو قوم علم و حکمت سعی و عمل استقامت و مداومت حسنِ تدبیر اجتماعی تنظیم نظم و انضباط اور دور اندیش منصوبہ سازی کے تقاضوں کو نظر انداز کرتی ہے وہ خواہ اعتقادی اعتبار سے کتنی ہی حق پر کیوں نہ ہو اگر عالمِ اسباب میں جاری سننِ الٰہیہ سے غفلت برتے گی اور کائنات کے طبعی و تمدنی قوانین کو نظر انداز کرے گی تو فکری جمود تہذیبی انحطاط اور اجتماعی پسماندگی اس کا مقدر بن جائیں گے چنانچہ جب تک کوئی بھی عقیدہ عمل و تدبیر اور اسباب کے صحیح استعمال سے ہم آہنگ نہ ہوگا تو وہ دین و دنیا کے کسی بھی میدان عمل میں مطلوب نتائج کا ضامن نہیں بن سکتا ہے جبکہ اس کے برعکس جو قوم علم کو بصیرت و حکمت اور تدبیر سے نیز ایمان کو عملِ پیہم کے ساتھ ہمہ قدم مربوط رکھتی ہے اور تحقیق و تجزیہ محنت و جہد اور نظم و انتظام کی بھرپور صلاحیتوں کو بروئے عمل لاتے ہوئے اجتماعی ذمہ داری کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے وہی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانونِ اسباب کے مطابق ترقی و استحکام اور عروج کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسباب میں کامیابی و ناکامی کے فیصلے محض زبانی دعووں ماضی کی درخشاں نسبتوں کے لاحاصل تفاخر اور وراثتی امتیازات کی فریب افتخار خوش فہمیوں خام تمناؤں جذباتی اور خوش کن آرزوؤں کی اساس پر نہیں ہوتے بلکہ صحیح اسباب کے اختیار سنجیدہ جدوجہد مسلسل محنت فکری بالیدگی عملی بصیرت اور سننِ الٰہیہ کے عمیق فہم علمی و فکری ارتقا کو اپنانے اور اسباب و مسببات کے اٹل قوانین کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ رکھنے سے ہی نتائج نکلتے ہیں اصل حقیقت یہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو خواہشات کے نہیں بلکہ حکمت و عمل اور قانونِ اسباب کے اصولوں پر قائم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نظامِ عدل و حکمت اس حقیقت پر قائم ہے

کہ وہ کسی انسان، قوم یا جماعت کی محنت، جدوجہد اور سعی کو ضائع نہیں فرماتے ہیں۔ قرآنِ کریم بار بار اس اصول کو واضح کرتا ہے کہ اس دنیا میں ہمیشہ نتائج کا ظہور قانونِ اسباب و مسببات کے تحت ہی نمایاں ہوتا ہے اور جو قومیں علم و محنت، تنظیم و منصوبہ بندی اور اجتماعی جدوجہد کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں وہ ہی دنیاوی کامیابیوں سے بہرہ مند ہوتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا تقاضا ہے کہ وہ بلاتفریق عمل کے نتائج کو اس کے مناسب ثمرات سے وابستہ فرماتے ہیں خواہ عمل کرنے والا مؤمن ہو کہ غیر مومن ہو چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: **مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ** (۱) کہ جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور ان کے حق میں کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے یہ آیت اس حقیقت کا مظہر ہے کہ دنیاوی اسباب کو اختیار کرنے اور ان کے مطابق جدوجہد کرنے والوں کو ان کی محنت کا صلہ دنیا میں ملتا ہے اگر کوئی قوم سائنسی تحقیق تعلیمی ترقی معاشی منصوبہ بندی نظم و ضبط اور اجتماعی ذمہ داری کو اسباب و مسببات کے تکوینی قوانین کے طے شدہ اصولوں کو اختیار کرتی ہے تو وہ ترقی کے ثمرات ضرور حاصل کرے گی اگرچہ باعتبار عقیدہ و ایمان وہ حق سے کتنی ہی منحرف کیوں نہ ہو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ نے معارف القرآن کے ایک مضمون کے سیاق میں ایک بڑا اہم نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ باطل بذاتِ خود ترقی کرنے والی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی باطل کو ترقی کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کو ابھارنے میں عامل کا عقیدہ ہرگز کارفرما نہیں ہے بلکہ اس نے ضرور کسی حق بات کو شعوری یا لاشعوری طور پر اختیار کیا ہوا ہے اور اسی حق بات کے نتیجے میں اس کو فروغ حاصل ہوا ہے لہٰذا جتنی بھی باطل قومیں ترقی کر رہی ہیں ان کی ترقی کے اسباب میں محنت و جفاکشی اپنے اہداف اور نصب العین نیز اپنے منصوبوں سے وفاداری کے ساتھ اپنے اور اپنی قوم کے لیے نتیجہ خیز فوائد و ثمرات حاصل کرنے کے لیے ہمہ وقت مخلصانہ جدوجہد اور لگن جیسے اوصاف کسی نہ کسی انداز میں شامل ہیں جو کسی بھی قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں محدثین نے بھی حدیث نبوی کے طور حضرت عائذ بن عمرو المزنی سے مروی روایت نقل کی ہے **الاسلام یعلو ولا یعلیٰ** جس کا حاصل مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ مسلمان ہر زمانے میں سیاسی یا عسکری اعتبار سے لازماً غالب رہیں گے بلکہ اصل مفہوم یہ ہے کہ اسلام کو حق و حجت اور عزت و رفعت کے اعتبار سے تمام ادیان عالم پر فوقیت حاصل ہے اور آخری کامیابی ان شاء اللہ اسلام اور اہل ایمان کے لیے ہی مختص ہے بشرطیکہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں اسی حقیقت کے پس منظر میں یہاں پر ایک نہایت اہم فرق کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ مؤمن اور غیر مؤمن کی جدوجہد کے نتائج یکساں نہیں ہوتے بظاہر دونوں دنیا میں کامیابی

---

(۱) سورہ ہود، آیت: ۱۵

حاصل کر سکتے ہیں لیکن ان کامیابیوں کی وسعت اور دائمی حیثیت میں بنیادی فرق موجود ہے اہلِ ایمان کی جدوجہد محض دنیاوی فوائد تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کو محیط ہوتی ہے اور ان کا مقصد صرف مادی ترقی نہیں بلکہ رضائے الٰہی، فلاحِ اخروی اور ابدی کامیابی بھی ہوتا ہے اسی لیے ان کی محنت کے ثمرات بہر دو جہاں کی وسعتوں تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کی اسی جامع کامیابی کو یوں بیان فرمایا ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱) جو کوئی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور آخرت میں اس کے بہترین اعمال کے مطابق اجر عطاء فرمائیں گے اس کے برعکس جو لوگ ایمان سے محروم ہیں ان کے حسنات و خدمات اور دنیاوی جدوجہد کا بدلہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف کے مطابق دنیا میں ہی عطا فرما دیتے ہیں اقتدار و خوش حالی علمی برتری اور صنعتی ترقی یا اجتماعی قوت کی صورت میں انہیں ان کے اعمال کا صلہ حسبِ مشیت رب مل سکتا ہے لیکن چونکہ ان کے اعمال ایمان اور رضائے الٰہی کی بنیاد سے خالی ہوتے ہیں اس لیے آخرت میں وہ ابدی اجر کے مستحق قرار نہیں پائیں گے قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا: أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ (۲) یعنی ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں سوائے اس انجام کے جو اُن کے کفر و انکار کے لازمی نتائج ہیں لہٰذا کسی غیر مسلم قوم کی دنیاوی ترقی کو دیکھ کر یہ گمان کرنا ہرگز درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیاذاباللہ ایمان کی قدر و قیمت کو کم کر دیا ہے اور نہ ہی کسی مسلم قوم کی پسماندگی اس بات کی دلیل ہے کہ خدانخواستہ ایمان بے اثر ہو گیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ تکوینی قوانین اور اسباب مقرر فرمائے ہیں جو قومیں ان قوانین کو اختیار کریں گی وہ دنیاوی ثمرات حاصل کریں گی لیکن ایمان و تقویٰ اور صالحیت یہ وہ عناصر ہیں جو انسان کی کامیابی کو دنیا کی محدود سرحدوں سے نکال کر آخرت کی ابدی فلاح تک پہنچانے میں مؤکد وسیلہ بنتے ہیں لہٰذا ایک مؤمن کا نقطۂ نظر یہ ہی ہونا چاہئے کہ وہ ایمان و عقیدہ کی پختگی کے ساتھ ساتھ علم و عمل جہد و مساعی تحقیق و تدبیر اور عملی جدوجہد کی مداومت کے ساتھ تمام تکوینی اسباب و قوانین بھی اختیار کرے تاکہ اس کو دنیا میں بھی عزت و سربلندی حاصل ہو اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور دائمی کامیابی کا مستحق بنے یہی قرآن کا متوازن تصورِ عمل ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت اور سنتِ ربانی کا تقاضا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

(۱) سورہ نحل، آیت: ۹۷ (۲) سورہ ہود، آیت: ۱۶

مقالات و مضامین

قسط (۲)

حضرت یوسفؑ کا واقعہ

اور اس میں بیان کردہ خوبصورت عالمینی راہ نمائیاں

مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی❖

(۸) حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے پتہ چلا کہ کسی کے سامنے اپنے خوف و خدشات کا اظہار نہ کرنا چاہیے ورنہ لوگ ان کو تمھاری مجبوری سمجھ کر تمھارا ہی استحصال کرنے لگیں گے، چنانچہ دیکھیے جس خدشہ کا اظہار حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کے سامنے کیا تھا، اسی خدشہ کو بنیاد بنا کر انھوں نے سازش رچی اور آکر باپ کو اطلاع دے دی کہ یوسف کو تو بھیڑیے نے کھالیا۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو آپ نے اپنی کوئی راز کی بات بتادی، کچھ دنوں کے بعد وہی شخص آپ کا استحصال کرنے لگتا ہے۔ بہر حال اس طرح اپنے خدشات کا اظہار ہر ایک کے سامنے کرنا ہرگز مناسب نہیں، بڑا نقصان پہنچنے کا خطرہ رہتا ہے۔

(۹) حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی بڑا جرم کرتا ہے تو وہ کہیں نہ کہیں اپنے جرم کی کوئی نہ کوئی نشانی چھوڑ جاتا ہے، جس سے اس کا جرم آشکار ہو جاتا ہے، جیسا کہ برادران یوسف حضرت یوسف کو جنگل کی سیر کرانے کے بہانے لے گئے اور مشورے کے مطابق ایک ایسے کنویں میں ان کو ڈال دیا جس میں پانی نہیں تھا اور عرصہ سے خشک پڑا ہوا تھا اور واپسی میں ان کی قمیص کو کسی جانور کے خون میں تر کر کے روتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابا جان اگر چہ ہم اپنی صداقت کا کتنا ہی یقین دلائیں، مگر آپ کو ہرگز یقین نہ آئے گا کہ ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مشغول تھے کہ اچانک یوسف کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو دیکھا تو وہ خون آلود تھی، مگر کسی ایک جگہ سے بھی پھٹی ہوئی نہ تھی، فوراً حقیقت حال سمجھ گئے، مگر آپ نے نہ ان کو جھڑکا، نہ ہی طعن و تشنیع کی اور نہ ہی نفرت و حقارت کا

❖ نانوتہ

طرزِ عمل اختیار کیا بلکہ پیغمبرانہ حکمت وفراست کے ساتھ یہ بتادیا کہ باوجود حقیقت حال کو چھپانے کی سعی کے تم اسے چھپا نہ سکے۔ **قَالَ بَلْ سَوَّلَت لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ امراً** . حضرت یعقوب نے کہا کہ بات وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو، بلکہ تم یہ بات بنا کر لائے ہو۔ اسی طرح ہر مجرم جرم کے ارتکاب کے وقت کوئی نہ کوئی نشانی ایسی ضرور چھوڑ جاتا ہے جو اس کو تختہ دار یا پھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیتی ہے۔ اس کے واقعات اور شواہد روزانہ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ بالفاظ دیگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے چالاکی تو کی، مگر اپنی چالاکی میں کچے نکل گئے، ویسے بھی چالاکیوں کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے، ارشاد فرمایا: **وکان عاقبةُ اَمْرِھَا خُسْراً**

(۱۰) قصہ یوسف علیہ السلام سے معلوم ہوا کہ کسی چیز میں بذات خود خیر اور شر نہیں، اس چیز کا صحیح یا غلط استعمال اس کو خیر یا شر کا محور بناتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو لے لیں، واقعہ یوسف علیہ السلام میں اس کا تین طرح استعمال کیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے کہ ان کی قمیص کو کسی جانور کے خون میں تر کر کے روتے ہوئے حضرت یعقوب کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے والد بزرگوار ہم اپنی صداقت کا کتنا ہی یقین دلائیں، مگر آپ کو ہرگز یقین نہ آئے گا۔ ہم کھیل کود میں مشغول ہوگئے تھے اور یوسف کو بھیڑیا اٹھالے گیا اور یہ اس کی خون آلود قمیص ہے۔ یہاں قمیص کو اپنے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے ذریعہ بنایا۔ پھر آگے چل کر یہی قمیص حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت کا ذریعہ بن گئی کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے ان پر بہتان باندھا تو اللہ نے ان کی براءت اس عورت کے بہتان سے اس قمیص ہی کے ذریعے کروائی۔

قرآن کریم میں اس کا تذکرہ ہوا ہے: **قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِکَ سُوْءً اِلَّا اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ قَالَ ھِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَھِدَ شَاھِدٌ مِّنْ اَھْلِھَا اِنْ کَانَ قَمِیْصُہٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَھُوَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ وَاِنْ کَانَ قَمِیْصُہٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَکَذَبَتْ وَھُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَہٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِکِ اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ** (۱)

ترجمہ: کہنے لگی، اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ رکھتا ہو، مگر یہ کہ قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔ یوسف علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسی نے مجھ کو میرے نفس کے بارے میں پھسلایا تھا اور فیصلہ کیا عورت ہی کے گھرانے کے ایک شخص نے کہ اگر یوسف کا

---

(۱) یوسف: ۲۵-۲۹

قمیص سامنے سے چاک ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹا اور اگر پیچھے سے چاک ہے تو عورت جھوٹی اور یوسف سچا، جب ان کی قمیص کو دیکھا گیا تو پیچھے سے چاک تھی عرض کیا کہ اے عورت یہ تیرا مکر وفریب ہے، یقیناً تمھارا مکر بہت بڑا ہے، لہٰذا یوسف تم اس معاملے میں درگذر سے کام لو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ ! تو بلاشبہ گناہگار وخطا کار ہے۔

ذرا غور فرمائیں کہ یہی قمیص یوسف یہاں ان کی براءت کا سبب بن گئی، معلوم ہوا خیر وشر اس کرتے میں نہیں بلکہ اس کے طریقہ استعمال میں ہے اور کبھی یہی قمیص دوا کا کام کرتی ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے سورہ یوسف میں اس کا بھی صراحتاً تذکرہ فرمایا ہے،

ارشاد فرمایا: فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِیْرُ اَلْقَاهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (۱)

پھر جب بشارت دینے والا آ پہنچا تو اس نے پیراہن یوسف کو یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا تو ان کی بینائی لوٹ آئی۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

دیکھیے، یہی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے سامان شفاء بن گئی۔ معلوم ہوا کہ خیر وشر کا تعلق نفس اشیاء سے نہیں بلکہ ان کے صحیح اور غلط استعمال سے ہوتا ہے، اگر چیزوں کا استعمال صحیح ہوجائے تو وہ چیزیں لوگوں کے لیے خیر کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور اگر استعمال غلط ہو تو وہ چیزیں انسانیت کے لیے باعث شر بن جاتی ہیں۔

(۱۱) قصہ یوسف علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ناقابل اعتبار ہے۔ ذرا دیکھیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسی پاکیزہ شخصیت کو چند ٹکوں میں بازار میں بیچا جارہا ہے، کس قدر ناقدری کی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ دنیا اعتبار کی جگہ نہیں، اکثر وبیشتر یہاں ہوتا یہ ہے کہ یہ اپنے محسنوں پر ہی ظلم وستم کردیتی ہے، اپنے خیر خواہ اور ہمدردوں کے ساتھ یہاں پر بدسلوکی کی جاتی ہے۔ بقول حفیظ جالندھری:

زمانہ یوں ہی اپنے محسنوں کو تنگ کرتا ہے
وہ درس صلح دیتے ہیں یہ ان سے جنگ کرتا ہے

(۱۲) حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوا کہ یہ تمام تعلیمی ادارے اور کتابیں اسباب کا درجہ رکھتے ہیں، اصل معلم حقیقی حق تعالیٰ شانہ ہیں، اسی حقیقت کی طرف سورہ یوسف میں درج

---

(۱) یوسف:۹۶

ذیل دو آیات میں وضاحت کی گئی ہے کہ: لِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيث اور ہم نے ان کو سکھایا باتوں کے نتائج اور مطلب نکالنا اور دوسری جگہ فرمایا آتَيْنَاهُ حُكْماً وَّعِلْماً ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا۔

علم اللہ کی حقیقی صفت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس صفت میں سے بطور خاص عطا کرتا ہے، مگر عطا کی بنیاد تقویٰ ہے، بقدر تقویٰ اس صفت میں سے عطا کرتا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ، تعلق مع اللہ اور تقویٰ اختیار کرو اللہ تم کو خود سکھلائے گا، یعنی علم لدنی بقدر تقویٰ عطا فرمائے گا۔ اصل میں یہاں مسئلہ ظاہری یا عقلی نہیں بلکہ عطائے ربانی کے لیے شرط ہے نظام باطن کے صحیح اور درست ہونے کا، حق تعالیٰ شانہ کے یہاں اعتبار اسی کا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى اَعْمَالِكُمْ وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ لٰكِنَّ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ

ترجمہ: اللہ رب العزت نہ تو تمھارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے اور نہ ہی تمھاری شکل وصورت کو (یعنی تمھارے ظاہر کو وہ نہیں دیکھتا) بلکہ وہ تو تمھارے قلوب پر نظر رکھتا ہے کہ بندے نے کون سا عمل کس نیت سے کیا۔

(۱۳) حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو انسان شریف ہوگا وہ کبھی خیانت اور غداری نہیں کرے گا، وہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی کبھی غداری نہیں کرے گا چہ جائیکہ وہ اپنے کسی محسن کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت کرے۔

عربی کی مثل ہے کہ إِنَّ الْحُرَّ لَا يُقابل الإِحْسَان با لإِسَاءَةِ شریف النفس انسان کبھی بھی اچھائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ احسان مندی کے احساس کے ساتھ اپنے محسن کو دیکھتا ہے، اسی طرح کوئی بھی شریف انسان اس کنویں میں ہرگز نہیں تھوکے گا جس سے وہ پانی پیتا ہے، جس تھالی میں کھائے گا، ہرگز اس میں سوراخ نہیں کرے گا، بلکہ اگر اس میں ذرا بھی شرافت وکرامت اور شرم وحیا ہوگی تو وہ اپنے محسن کے ساتھ احسان فراموشی نہیں کرے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کس قدر خوبصورت بات فرمائی: قال معاذ الله إنه رَبِّيْ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ إنه لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۱)

جب عزیز مصر کی بیوی نے ان کو برائی کی دعوت دی تو انھوں نے عرض کیا کہ خدا کی پناہ! یقیناً وہ (عزیز مصر) میرا محسن ہے جس نے مجھ کو عزت سے رکھا، بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔ اس جواب سے معلوم ہوا کہ جو شریف ہوگا وہ کبھی بھی اپنے محسن کے ساتھ احسان فراموشی کا معاملہ ہرگز نہیں کرے گا۔ آج کل ایسا

(۱) یوسف ۲۳

اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتا ہے اور ہر حلقے کے لوگوں میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ جو لوگ کسی کے ساتھ احسان کرتے ہیں اور ان کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں، سب سے زیادہ احسان فراموشی کا ان ہی کی طرف سے شکار ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ جواب نقل فرما کر لوگوں کو معیار شرافت بتایا کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آقا کے ساتھ غداری کا معاملہ نہیں کیا، بلکہ ہر طرح کی خیانت سے اپنے آقا کو محفوظ رکھا، اسی طرح ہر شریف النفس انسان اپنے محسن کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اِتَّقِ شَرَّ مَنْ اَحْسَنْتَ إليه کہ اس شخص کے شر سے بچ کر رہو جس کے ساتھ تم کوئی احسان کا معاملہ کرو۔

(۱۴) قصہ یوسف علیہ السلام کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ حقیقت میں امانتدار انسان اس وقت ہی کہلائے گا جب کہ وہ اپنی امانتداری کا اس وقت ثبوت پیش کرے جب کہ وہ خیانت کرنے پر قادر ہو، یعنی خیانت کر سکتا تھا، مگر خیانت نہ کر کے صاحب امانت کی امانت کو ہو بہو اس کے اہل تک پہنچا دے، اسی طرح عفت و پاکدامنی کا معاملہ ہے، عفیف انسان کو جب ہی کہا جائے گا جب کہ انسان اپنے دامن کو باوجود زنا پر قدرت کے بچالے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے عفیف اور امین ہونے کا مکمل ثبوت فراہم کیا کہ آپ زنا اور خیانت پر قادر تھے، مگر اس عفیف اور پاکدامن انسان نے نہ تو خیانت کی اور نہ ہی اپنی پاکدامنی پر دھبہ لگنے دیا، کیوں کہ یوسف جیسا شخص نہ خیانت کرتا ہے اور نہ ہی اپنی عفت و کردار کو مجروح ہونے دیتا ہے۔

امانت اور عفت ان بنیادی ایمانی صفات میں سے ہیں جن کی بنیاد پر انسان صاحب کردار اور اس کی شخصیت صاحب اعتبار بنتی ہے۔ اللہ رب العزت صاحبِ امانت اور صاحب عفت شخص کو وقار و تمکنت عطا فرماتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حق تعالیٰ شانہ نے وقار عطا فرمایا تھا۔ آج ایسے کرداروں کی شدید ترین ضرورت ہے جو کسی بھی حال میں عفت کے دامن کو چاک نہ ہونے دیں۔ اس بے حیائی کے دور میں جو بھی اس خوب صورت کردار کا حامل بن کر معاشرہ میں رہے گا، مخلوق خدا جوق در جوق اس کے کردار کو سر جھکا کر سلام کرتی ہوئی آئے گی اور پھر یہ کردار دعوت اسلام کا بہت بڑا ذریعہ بنے گا۔ (جاری)

آخری قسط

اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ

مولانا امانت علی قاسمی ❖

قائلین جواز کے دلائل

(۱) ان حضرات نے قرآن کریم کی کئی آیتوں سے استدلال کیا ہے: **من أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً.** (۱)

جس نے کسی شخص کو زندہ کیا، گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے: **فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه.** (۲)

جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالبِ لذت ہو اور حد سے تجاوز کرنے والا ہو اس شخص پر کوئی گناہ نہیں۔

فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لاثم فإن الله غفورٌ الرحيم. (۳)

پس جو شخص شدت بھوک میں بے تاب ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

مذکورہ آیات میں اس شخص کے لئے جو بھوک و پیاس سے مر رہا ہو اور جان بچانے کے لئے حرام چیز کے علاوہ کوئی اور چیز نہ ہو تو ایسی اضطراری حالت میں اس حرام چیز کو استعمال کر کے اپنی جان بچالینا نہ صرف جائز بلکہ لازم قرار دیا گیا ہے، ایسے ہی وہ مریض جس کو کسی عضو کی ضرورت ہو اور اس کو عضو دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو ایسے مریض کی جان بچانے کے لئے اس کو اپنا عضو بھی دینا جائز ہوگا، اسی طرح وہ آیات جن میں بندوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

(۱) مائدہ: ۳۲ (۲) البقرہ: ۱۷۳ (۳) المائدہ: ۳

مریض خرابیٔ عضو کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو اس کو اپنا عضو دے کر اس کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کیا جائے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید العسر.** (۱)

اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں۔

سورۂ حج کے اندر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ما جعل علیکم في الدین من حرج.** (۲)

اور اس نے تم پر دین (کے احکام) میں کوئی سختی نہیں کی ہے۔

(۲) فقہی قواعد سے استدلال

(۱) الضرورات تبیح المحظورات. (۳)

ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔

(۲) الضرر یزال. ضرر کو زائل کیا جائے گا۔

(۳) المشقة تجلب التیسیر مشقت آسانی پیدا کرتی ہے۔

ان قواعد کا حاصل یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت ایک ناجائز چیز جائز ہو جاتی ہے، لہٰذا انسانی عضو اپنی اصل کے اعتبار سے اگر چہ اس کا انتقال ممنوع ہے، لیکن ایک انسان کی جان بچانے کی خاطر اور اس کو ہلاکت سے بچانے کی ضرورت کے پیش نظر اعضاء انسانی کے عطیہ کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۳) جو حضرات اعضاء انسانی کے عطیہ کے جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اپنے کسی عضو کا عطیہ صدقۂ جاریہ ہے، جیسے کوئی جوان شخص گردہ کے خراب ہو جانے کی وجہ سے موت کے دہانے پر ہو اور کسی ایسے آدمی کا گردہ اس کو لگا دیا جائے جس کی برین ہمرتج کی وجہ سے موت ہو گئی ہو تو ایسی صورت میں اس متوفی شخص کا یہ عضو اس کے لئے یقیناً صدقۂ جاریہ ہوگا۔

(۴) بعض عرب علماء نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر چہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں لیکن اپنے اعضاء کا متولی ہے، اور جو چیز متولی کی ولایت میں ہو اس میں تصرف کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس تصرف میں اس کا اپنا کوئی نقصان نہ ہو، لہٰذا نقصان نہ ہونے کی صورت میں اپنے کسی عضو کا عطیہ جائز ہوگا۔

قائلین عدم جواز اور ان کے دلائل

برصغیر کے اکثر علماء بالخصوص دار العلوم دیوبند کے ارباب افتاء عدمِ جواز کے قائل ہیں، اسی طرح

(۱) البقرہ: ۱۸۵ (۲) الحج: ۷۸ (۳) الاشباہ والنظائر

عرب علماء میں عبداللہ بن باز اور صالح العثیمن جو دونوں حضرات عرب علماء میں ممتاز مقام اور مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے عرب علماء کا یہی موقف ہے کہ مرنے کے بعد اعضاء کی وصیت کرنا ناجائز ہے۔

مجموعہ فتاویٰ ابن باز میں ہے: **والأقرب عندي أنه لا يجوز للحديث المذكور ولأن في ذلك تلاعبا بأعضاء الميت وامتهانا له والورثة قد يطمعون في المال و يبالون بحرمة الميت والورثة لا يرثون جسمه و إنما يرثون ماله.** (۱)

عدم جواز کے قائلین کہتے ہیں کہ انسانی اعضاء کے سلسلے میں دو پہلو قابل غور ہیں، ایک یہ کہ انسان کا وجود درحقیقت ودیعت وامانت ہے، انسان اپنے جسم وروح بلکہ اپنے کسی عضو کا بھی مالک نہیں ہے، انسان اپنے اعضاء کا امین ومحافظ ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **لأن نفسه ليست ملكا له مطلقا بل هي لله تعالي فلا يتصرف فيها** اس لئے کہ جان اس کی ملکیت میں بالکل نہیں ہے، بلکہ وہ کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اس لئے انسان کو اس میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (۲)

اسی لئے خودکشی کرنا یا حالت اضطرار میں کسی شخص کو اپنا کوئی عضو کھانے کے لئے دینا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی کسی مضطر کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی انسان کا عضو کھا کر اپنی جان بچالے، اگر انسان کو اپنے اعضاء میں اس طرح کے تصرف کا حق ہوتا تو مضطر کو اپنا عضو کھانے کے لئے دینا جائز ہوتا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے: **مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدي وكلها أو قال اقطع في قطعة فكلها لا يسعه أن يفعل ذلك ولا يصح أمره كما لا يصح للمضطر أن يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل.** (۳)

قرآن میں بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کا محافظ اور نگراں ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا.** (۴)

کان، آنکھیں اور دل سب کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

---

(۱) مجموعہ فتاویٰ ابن باز، ۱۳/۳۶۴ (۲) بخاری شریف تحت رقم الحدیث: ۵۷۷۸
(۳) فتاوی عالمگیری، ۵/۳۳۸، مکتبہ زکریا (۴) بنی اسرائیل: ۳۶

اسی لئے وہ اس حد تک اس میں تصرف کرسکتا ہے جس حد تک شریعت نے اسے اجازت دی ہے، اس حد سے تجاوز کر کے تصرف کرنے کا اسے کوئی اختیار نہیں ہے۔

ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة. (۱)

تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا ہے، انسان کا اپنا کوئی عضو اپنے جسم سے علیحدہ کر کے کسی کو دیدینا گویا ہلاکت کی کوشش کرنا ہے، مثلاً انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو گردے دئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی تخلیق مصلحت سے خالی نہیں ہوتی، لیکن کوئی یہ سمجھ کر کہ میں ایک گردہ پر زندہ رہ سکتا ہوں، اپنا ایک گردہ کسی کو ہبہ کردے، لیکن ہبہ کرنے کے چند دنوں بعد کسی بیماری کی وجہ سے اس کا ایک گردہ خراب ہوجائے، ایسی صورت میں وہ شخص موت کے قریب پہونچ جائے گا اور یہ اس کی اپنی کوشش سے ہوا ہے، اسی طرح اپنی ایک آنکھ عطیہ کرنے کے بعد اس کی دوسری آنکھ بھی خراب ہوجائے تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے گا، اگر اپنا عضو ہبہ نہ کیا ہوتا تو اس کی یہ صورت حال نہ ہوتی۔

معلوم ہوا کہ اپنا عضو ہبہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنا کوئی عضو ہبہ کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے، لیکن غور کیا جائے تو اپنی زندگی میں اعضاء دینے کی صورت میں ضرر کا وہم ہے اور نہ دینے کی صورت میں ایک انسان کی جان کی ہلاکت کا ظن غالب ہے، ایسی صورت میں دو ضرر میں سے اخف ضرر کو اختیار کرتے ہوئے زندگی میں کوئی عضو دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے بھی اضطراری حالت میں اپنا کوئی عضو دے کر کسی مریض کی جان بچانے کی اجازت دی ہے۔ (۲)

دارالافتاء بنوریہ کے مفتی حضرات نے بھی ضرورتاً اعضاء انسانی کے عطیہ کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ یہ حضرات لکھتے ہیں:

مریض کی جان بچانے کی کوئی دوسری صورت سوائے گردہ تبدیل کرنے کے ممکن نہ ہو اور جس سے گردہ لیا جارہا ہے اس کی جان کو بھی کوئی خطرہ نہ ہو اور آدمی اپنا گردہ دیدے تو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (۳)

---

(۱) البقرہ: ۱۹۵ (۲) منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۳۸۶ اسلامی فقہ اکیڈمی

(۲) دارالافتاء والقضاء الجامعۃ البنوریہ العالمیہ آن لائن علاج ومعالجہ، فتویٰ نمبر: ۳۸۹۳۱

موت کے بعد اعضاء کی وصیت کا حکم

دوسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو مکرم ومحترم بنایا ہے، اس لئے اعضاء انسانی میں کسی قسم کا تصرف کرنا اور اپنے جسم سے علیحدہ کرکے دوسرے کو عطا کرنا یہ احترامِ انسانی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: **والثاني أن استعمال جزء منفصل عن غيره من بني آدم إهانة بذلك الغير والآدمي بجميع أجزئه مكرم ولا إهانة في استعمال جزء نفسه في الإعادة إلي مكانه.**

اپنے جسم کے کسی عضو کو کاٹ کر اپنے جسم میں لگانا یہ احترام انسانی کے خلاف نہیں ہے، لیکن دوسرے کے جسم میں لگانا یہ احترام انسانی کے خلاف ہے۔(۱)

اسی احترامِ انسانی کے پیش نظر فقہاء نے اعضاء انسانی سے انتفاع اور اس کی بیع وشراء کو ناجائز قرار دیا ہے: **لا يجوز بيع شعور الإنسان ولا الانتفاع به لأن الآدمي مكرم لا مبتذل فلا يجوز شيء من أجزائه مهانا مبتذلا. (۲)**

اعضاء انسانی کو جسم سے علیحدہ کرکے دوسرے کے جسم میں استعمال کرنا ابتذال ہے، اور اعضاء انسانی کا ابتذال احترام انسان کے منافی ہے، اس لئے جس طرح اپنی زندگی میں اپنا کوئی عضو ہبہ کرنا احترامِ انسانی کے خلاف ہے اسی طرح مرنے کے بعد اپنے کسی عضو کی وصیت کرنا بھی ناجائز ہے، اس لئے کہ جس طرح اپنی زندگی میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا انسان مجاز نہیں ہے، اسی طرح مرنے کے بعد کسی تصرف کا مالک نہیں ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: **كسر عظم الميت ككسره حياً. (۳)**

میت کی ہڈیوں کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑنا۔

اس جیسی حدیث سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ میت کو ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے زندہ شخص کو تکلیف ہوتی ہے، میت کو اس کے مرنے کے بعد بھی ایک خاص قسم کا احساس وادراک باقی رہتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۱۳۳/۵، دار الکتاب العربی، بیروت (۲) ہدایہ ۵۵/۳

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۲۰۷

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اہل قلیب کو پکارا تھا: **یا أهل القليب هل وجدتم ما وعد ربكم حقا؟ فإني قد وجدت ما وعدني ربي حقا.** (۱)

اے اہل قلیب! کیا تم نے اس کو پالیا جس کا تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا میں نے اس کو پالیا جس کا میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔

اس پر بعض صحابہ نے سوال کیا کہ یہ لوگ تو مردار ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو، لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے ہیں، معلوم ہوا کہ میت کو مرنے کے بعد بھی احساس وادراک باقی رہتا ہے اور جس طرح زندگی میں اعضاء کے احترام کا حکم ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی اعضاء کے احترام کا حکم ہے، اس لئے میت کا اپنے اعضاء کی وصیت کرنا ناجائز معلوم ہوتا ہے اور ورثاء کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ میت کے اعضاء کو ہبہ کریں، اس لئے کہ ورثہ صرف میت کے مال کے مالک ہیں، اس کے اعضاء اور جسم کے مالک نہیں ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی انسان کا کوئی عضو کٹ کر گر جائے یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو میت کے ساتھ اس کے کٹے ہوئے اعضاء کو دفن کرنا بھی واجب ہے۔

شیخ خلیل اپنی ''مختصر'' میں لکھتے ہیں: **وكره حلق شعره وقلم ظفره وضم معه ان فعل.**

میت کے بال کا ٹنا اور اس کے ناخن کاٹنا مکروہ ہے، اگر ایسا کیا تو اس ناخن اور اس بال کو بھی اس کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا۔

شرح مختصر خلیل میں ہے: **إن الأجزاء لذات الميت أو ماهو متصل بها إذا سقط بعضها أو أخذ من جسده بفعل فاعل فإنها تضم معه وجوباً وإذا قطع من الشخص بعض أجزائه وبقي هذا الشخص شيئا وجب دفن هذا الجزء وستره ومواراته بالتراب حتى لا يقع في مكان خبيث ولا يعبث به الأولاد الصغار.**

احترام انسانی کے ان دونوں پہلو کے پیش نظر عدم جواز کا پہلو ہی راجح معلوم ہوتا ہے اس لئے شرعی موت واقع ہوجانے کے بعد اپنے عضو کے عطیہ کی وصیت کرنا یا ورثاء کا میت کے عضو کو منتقل کرنے کی اجازت دینا درست نہیں ہے، اور جب یہ عمل شرعاً ناجائز ہے تو اس کے لئے اعضاء انسانی کا بینک قائم کرنا یا اپنے مرنے کے بعد اپنے اعضاء کی کسی ادارے کے لئے وصیت کرنا بھی ناجائز ہے۔

آئی بینک کا حکم

کسی زندہ شخص کا اپنی آنکھ کا ایک قرنیہ ہبہ کرنا یا موت کے بعد کے لئے وصیت کرنا ناجائز اور حرام

(۱) مسند احمد مخرجا، باب مسند عائشة بنت الصديق، رقم الحديث: ۲۶۳۶۱

ہے، اس لئے کہ جن حضرات نے بھی اعضاء انسانی کے تبرع کو جائز کہا ہے انہوں نے ضرورت اور اضطرار کی قید لگائی ہے، کوئی انسان بلا آنکھ کے زندہ رہ سکتا ہے، کسی دوسرے انسان کی آنکھ لگانا ضرورت کے درجہ میں نہیں ہے، اس لئے یہ صورت ناجائز ہے، پھر زندہ انسان اگر اپنی ایک آنکھ دیدے تو اس میں مثلہ کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بدنما کرنا اور تغییر لخلق اللہ بھی پایا جارہا ہے، اس لئے انسان اپنے جسم میں اس طرح کے تصرف کرنے کا مالک نہیں ہے، اسی سے آئی بینک کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ جب آنکھ کا عطیہ جائز نہیں ہے تو پھر اس کا بینک قائم کرنا بھی ناجائز ہے۔

دودھ بینک کا حکم

شریعت اسلامیہ نے عورت کے دودھ کو اپنے بچے کے علاوہ دوسرے بچوں کو بھی پلانے کی اجازت دی ہے، اور اس پر اجرت لینے کو بھی جائز کہا ہے، لیکن دودھ بینک قائم کرنا تاکہ عورتوں سے رضا کارانہ یا قیمتا دودھ کو خریدا جائے اور ضرورت مند بچوں کو بلاعوض یا قیمت سے دے دیا جائے احترامِ انسانی کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام نے رضاعت کی بنیاد پر دودھ پینے والے بچے اور دودھ پلانے والی عورت کے درمیان جو مقدس رشتہ قائم کیا ہے اس کے بھی مغائر معلوم ہوتا ہے، شریعت نے دودھ پلانے پر اجرت لینے کو ضرور جائز قرار دیا ہے لیکن اس کو فروخت کرنے کی کسی صورت میں گنجائش نہیں ہے، اگر اضطراری ضرورت پیش آجائے تو عورت کے دودھ کو خریدنے کی اجازت ہوسکتی ہے جس طرح خون کے خریدنے کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، لیکن اس کو فروخت کرنا بالکل درست نہیں ہے، اس لئے دودھ بینک قائم کرنا اسلامی اصول کے بالکل مغائر معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں گویا جان بوجھ کر رضاعت کے مقدس رشتے کو پامال کیا جارہا ہے، اس کے لئے مناسب صورت یہ ہوسکتی ہے جو عورتیں بچوں کو دودھ پلانا چاہتی ہیں وہ اپنا نام بینک میں لکھادیں اور جس کو دودھ کی ضرورت ہو وہ بینک سے رابطہ کرے اور بینک دونوں سے دلالی کی اجرت لے کر دونوں کے درمیان رابطہ کرادیں، اور دودھ پلانے والی عورت بچے کے ذمہ داروں سے معاملہ طے کرکے دودھ پلادیں، ایسی صورت میں رضاعت کا مقدس رشتہ بھی برقرار رہے گا اور لوگوں کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی، اس صورت میں دودھ کا اجارہ ہوگا دودھ کی خرید وفروخت نہیں ہوگی، نیز ضرورت مند لوگ اپنے مناسب عورت کا انتخاب بھی کرسکیں گے۔

حرمت رضاعت کی تفصیل

اگر کسی عورت کا دودھ کوئی بچہ مدت رضاعت میں پی لے تو حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے،

اور وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں بن جاتی ہے، یہ مسئلہ نص قطعی سے ثابت ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم**، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب** لیکن اگر کسی جگہ دودھ بینک قائم ہو اور کوئی اس بینک سے دودھ لے کر بچے کو پلا دے اور متعین طور پر معلوم ہو کہ بچے نے کس کس عورت کا دودھ پیا ہے تو ایسی صورت میں رضاعت کا رشتہ برقرار رہے گا، لیکن اگر معلوم نہ ہو کہ کن کن عورتوں کا دودھ بچے نے پیا ہے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی، علامہ حصکفی لکھتے ہیں: **ولو أرضعها أكثر أهل قرية ثم لم يدر من أرضعها فأدا أحدهم تزوجها إن لم تظهر علامة ولم يشهد بذلك جاز.** (۱)

مادہ منویہ بینک کا حکم

اسلام نے نسب کے تحفظ پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور نسب کے حفاظت کی ہر ممکن کوشش کی ہے، اسی حفاظت نسب کے پیش نظر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقي ماءه زرع غيره** جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کا پانی (مادہ منویہ) دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرے۔ (۲)

اسلام کے تحفظ نسب کے نظام کو سامنے رکھ کر مادہ منویہ بینک کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ کرنا آسان ہے، اس لئے کہ مادہ منویہ بینک میں اسلامی اصول کی بہت سی مخالفتیں موجود ہیں۔

(۱) مادہ منویہ انسان کا جز ہے اور جزو انسانی سے انتفاع بلا ضرورت جائز نہیں، جب کہ یہاں بلا ضرورت اپنا مادہ منویہ بینک کو فراہم کیا جا رہا ہے۔ (۲) مادہ منویہ جو انسان کو جز ہونے کی وجہ سے محترم ہے اس کو فروخت کیا جاتا ہے۔ (۳) مادہ منویہ بینک کے قیام کی وجہ سے نسب خلط ملط ہو جائے گا، اس لئے کہ ایک اجنبی مرد کا مادہ منویہ ایک اجنبی عورت کے رحم میں ڈالا جائے گا، اس سے نسب کا تحفظ کہاں رہ جائے گا؟ (۴) اس کے قیام کی کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے، اور بلا شرعی ضرورت کے اجزاء انسانی کی تذلیل وتوہین جائز نہیں ہے۔ (۵) ایک عورت جو اپنے رحم میں کسی اجنبی کے منی کو داخل کرائے گی اس میں کشف عورت لازم آئے گا، جب کہ یہاں کشف عورت کی کوئی شرعی ضرورت اور مجبوری نہیں ہے۔ (۶) قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے صاحب اولاد بنا دے اور جس کو چاہے اولاد کی نعمت سے محروم کر دے، لیکن مادہ منویہ بینک کا قیام اسلام کے اس نظریہ کے بالکل مخالف ہے، مادہ منویہ بینک کا قیام اس بنیاد پر مبنی ہے کہ ہر کسی کو اولاد کی نعمت سے بہرہ ور کیا جا سکتا ہے، اس صورت میں **ويجعل من يشاء عقيما**

(۱) الدر مع الرد ۴/۴۰۲، مکتبہ زکریا (۲) ابوداؤد، باب وطئ السبایا، رقم الحدیث: ۲۱۵۸

کی بنیاد ہی ختم ہو کر رہ جائے گی۔ ان مفاسد کی وجہ سے مادہ منویہ بینک کا قیام ناجائز ہے، عرب سے شائع فتاویٰ میں فتاویٰ اسلامیہ ایک اہم فتاویٰ شمار کی جاتی ہے، جس کے اصحابِ افتاء میں عبداللہ بن باز، صالح العثیمن، عبداللہ بن عبدالرحمٰن جبرین شامل ہیں، اس میں لکھا ہے: **لا يجوز التبرع بذلك** (أي المني) **فيما يظهر لما يستلزمه من مس العورات واستعمال الأشياء القذرة وملامسة النجاسة مع أنه غير متحقق الثبوت، والله تعالي هو الخالق المتصرف "يهب لمن يشاء إناثا ويهب لمن يشاء الذكور أو يزوجهم ذكرانا وأناثا ويجعل من يشاء عقيما" وليس هناك ضرورات وعلى المرء أن يرضى بما خلق الله وأعطاه.** (۱)

خلاصہ

(۱) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا غیر مسلم کو اس کی ضرورت کی بناء پر خون کا عطیہ دے سکتا ہے۔(۲) بلڈ بینک کو خون کا عطیہ دینا جائز ہے اور اگر کسی مریض کو خون دیتے وقت بینک کسی رشتہ دار سے خون کا مطالبہ کرے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔(۳) مسلمانوں کے لئے رضا کارانہ بلڈ کیمپ قائم کرنا جائز ہے۔(۴) اگر کسی کا خون نادر گروپ سے تعلق رکھتا ہو اور کسی ایک شخص کے پاس اس گروپ کا خون اس کی ضرورت سے زیادہ ہو تو اس کے لئے خون کا عطیہ دینا مستحب ہے۔(۵) اگر کوئی شخص قریب المرگ ہو اور کوئی متعین شخص جگر کے مرض میں مبتلا ہو اور تبدیلی جگر کے بغیر اس کے بچنے کا کوئی امکان نہ ہو اور قریب المرگ شخص مرنے کے بعد اس متعین آدمی کے لئے اپنے جگر کی وصیت کر دے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن بینک یا ادارہ کے لئے وصیت کرنا ناجائز ہے۔(۶) کسی زندہ شخص کا اپنی ایک آنکھ کا قرنیہ ہبہ کرنا ناجائز ہے۔(۷) موت کے بعد اپنی آنکھ کے قرنیہ کی وصیت کرنا بھی درست نہیں ہے، آئی بینک کو بھی آنکھ کا قرنیہ ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔(۸) دودھ بینک کو قیمتاً یا بلا قیمت کے دودھ فراہم کرنا ناجائز ہے، اور اگر دودھ بینک سے دودھ لے کر بچوں کو پلایا گیا تو اگر معلوم ہو کہ کن کن عورتوں کا دودھ ہے تو ان تمام عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور اگر معلوم نہ ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔(۹) مادہ منویہ بینک قائم کرنا اور بینک کو مادہ منویہ قیمتاً یا بلا قیمت کے فراہم کرنا ناجائز ہے۔

---

(۱) فتاویٰ اسلامیہ، حکم التبرع بالدم ۴/۴۱۶

تخصص کے طلباء میں
مصنوعی ذہانت کا بڑھتا استعمال

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی ❖

مدارسِ دینیہ میں تخصص کے طلباء میں مصنوعی ذہانت کا بڑھتا استعمال

اس وقت عالم اسلام کے خلاف سازشیں اپنے عروج پر ہیں اور ایسی منظّم کوششیں کی جارہی ہیں جو کہ خدانخواستہ امتِ مسلمہ کے علمی انحطاط کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہیں۔ انہی میں سے ایک کوشش مصنوعی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے فتویٰ نویسی کی ہے۔ اللہ پاک ایسی ہر کوشش کو ناکام فرمائے، آمین۔ ہمیں ضرورت ہے کہ رجوع الی اللہ کریں اور ایسی ہر کوشش کے خلاف بروقت بند باندھا جائے اور ایسے اسباب کو اختیار کیا جائے جو کہ امتِ مسلمہ کے علمی ورثہ کی حفاظت کرسکے۔

راقم کو عالم اسلام کی بعض عظیم دینی درسگاہوں کے تخصص کے طلباء سے تعامل کا موقع ملا اور یہ جان کر حیرت ہوئی کہ یہ طلباء نہایت اہم فقہی موضوعات کی علمی تحقیق کے لیے مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیرز کا استعمال کررہے ہیں۔ جب ایسے طلباء سے مزید کُریدا گیا تو معلوم ہوا کہ ان طلباء کو تخصص کے دوران فتویٰ لکھنے کی مشق کرنی ہوتی ہے اور اس کے لیے وہ جدید علمی فقہی موضوعات کو سمجھنے کے لیے مصنوعی ذہانت کا استعمال کررہے ہیں۔ یہ طلباء اپنے اس طرزِ عمل پر بجائے پشیمان ہونے کے نہایت اعتماد کے ساتھ مصنوعی ذہانت سے لی گئی معلومات پر نہ صرف بھروسہ کررہے ہیں بلکہ مصنوعی ذہانت سے مہیا کیے گئے حوالہ جات کو بھی اپنے فتویٰ میں تحریر کررہے ہیں۔ مزید استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ ان جدید موضوعات پر بنیادی مآخذ سے بے اعتنائی برتی گئی ہے اور ان کو دیکھا تک نہیں گیا ہے۔ دوسری طرف یہ سن کر اطمینان ہوا کہ ان بعض عظیم علمی دینی درسگاہوں کے اکابر اساتذہ کرام ان طلباء سے پوچھتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے

❖ استاذ مونسٹر ٹکنالوجی یونیورسٹی (MTU) آئرلینڈ

اپنے فتویٰ میں تحریر کیا ہے اس کا مآخذ کیا ہے؟ اور طلباء کو اپنی لکھی گئی تحریران اساتذہ کو سمجھانا پڑتی ہے۔

اگرچہ جدیدیت سے متأثر بعض دینی مدارس تو بالکلیہ اپنے طلباء کو مصنوعی ذہانت کے استعمال کی ترغیب دے رہے ہیں مگر جس رفتار سے روایتی مدارسِ دینیہ کے تخصص کے طلباء میں مصنوعی ذہانت کا استعمال جس طرح سرایت کر رہا ہے وہ یقیناً تشویشناک ہے۔ الغرض مدارسِ دینیہ کے تخصص کے طلباء میں مصنوعی ذہانت کا استعمال ترویج پا رہا ہے اور اس کے تدارک کی اشد ضرورت ہے ورنہ خدانخواستہ فتویٰ نویسی کا معیار گھٹنا شروع ہو جائے گا اور طلباء کی علمی وفقہی استعداد کمزور رہ جائے گی۔ اس مضمون کے توسط سے ہم اربابِ مدارس اور مدارسِ دینیہ کے ذمہ داران کو اس اہم مسئلہ کی جانب متوجہ کر رہے ہیں تاکہ بروقت مصنوعی ذہانت کا تخصص کے طلباء میں استعمال کا توڑ نکالا جاسکے۔

تخصص کے طلباء، مصنوعی ذہانت اور چند اہم نکات و تجربات

طلبۂ تخصص کے لیے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ماہنامہ بینات میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں مطالعہ کی اہمیت ذکر کرتے ہوئے طلبۂ تخصص کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ معاصرین کی بنسبت علماء وائمہ متقدمین کی کتابوں کا زیادہ مطالعہ کیا کرو (۱)

تخصص میں اساتذہ کرام طلبۂ تخصص کا یہ مزاج اور ذوق بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں اور یہ مطالعہ صرف ان کُتب، رسائل، مقالہ جات اور تحقیقی مواد پر مبنی نہ ہو جو کہ نصاب کا حصہ ہوں بلکہ خارجی مطالعہ بھی اشد ضروری ہے۔ پھر اس نصیحت کے مطابق جو طلبۂ تخصص علماء و ائمہ متقدمین کی کتابوں کو مطالعہ کرتے ہیں وہ محنت کرنے سے عمومی طور پر ذی استعداد بن جاتے ہیں۔

اس تناظر میں پانچ پہلو قابلِ غور ہیں۔ پہلا پہلو یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر میں خود سے مطالعہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ ان مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر کی ٹریننگ (تربیت) کے لیے دنیا جہاں کے مواد استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت اجینٹک مصنوعی ذہانت Agentic AI بھی آچکی ہے جو کہ مصنوعی ذہانت کے اندر ایک انقلابی ٹیکنالوجی ہے۔ اجینٹک اے آئی، مصنوعی ذہانت کے وہ سسٹم ہیں جو کہ محدود انسانی نگرانی کے ساتھ کسی خاص مقصد کو پورا کرسکتا ہے۔ اجینٹک اے آئی مصنوعی ذہانت کے ایجنٹس پر مشتمل ہوتی ہے جو کہ ایک مشین لرننگ ماڈل ہے جو حقیقی وقت میں مسائل کو حل کرنے کے لیے انسانی فیصلہ سازی کی نقل کرتے ہیں (۲)۔ یہ خود کار طریقے سے کسی عمل کی شروعات کرسکتے

---

(۱) حوالہ: مولانا محمد یاسر عبداللہ، طلبہ تخصص کے لیے چند کارآمد نکات و تجربات، ماہنامہ بینات، ذوالقعدۃ ھ، جون ۲۰۲۳

(2) Agentic AI, IBM. Link: https://www.ibm.com/think/topics/agentic-ai

ہیں، اپنے کام کرنے والے ماحول میں تبدیلی آنے کی صورت میں اپنے لائحہ عمل کو تبدیل کرسکتے ہیں، اور نتائج سے سیکھ کر اپنے مستقبل کے جوابات اور لائحہ عمل میں بہتری لاسکتے ہیں۔ آسان الفاظ میں ایک اجینٹک مصنوعی ذہانت کا پروگرام مثلاً انٹرنیٹ پر نئی شائع ہونے والی کتابوں کی نگرانی کرسکتا ہے، خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ کون سی کُتب کو ٹریننگ میں استعمال کرے اور پیش آئندہ سوالات کا ان کتابوں میں موجود مواد کے تحت تجزیہ کرسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اتنی ترقی کے دعویٰ کے باوجود بھی ماہرین اور سائنسدانوں کے مطابق مصنوعی ذہانت ہو یا اجینٹک مصنوعی ذہانت، حقیقی مطالعہ کا متبادل نہیں ہوسکتے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر طلبۂ تخصص اپنے ذاتی مطالعہ کے بجائے مصنوعی ذہانت کے پروگرامز کو بطور معاون استعمال کریں گے تو ان میں استعداد پیدا نہیں ہوسکے گی۔ اہم بات یہ ہے کہ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں یہ قانون ہے کہ وہ جب اعلیٰ تعلیم مثلاً بیچلرز، ماسٹرز یا پی ایچ ڈی کی ڈگری دیتے ہیں تو وہ طلبائے کرام میں مطلوبہ استعداد اور صلاحیت حاصل ہوجانے کے بعد تفویض کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے بہترین یونیورسٹیاں مصنوعی ذہانت کے متعلق واضح پالیسیاں رائج کرچکی ہیں اور ان یونیورسٹیوں میں مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئرز سے مواد بنوا کر اسے اپنے آئیڈیا، تحقیق یا تجزیہ بنا کر پیش کرنے پر مکمل پابندی ہے اور کوئی طالبِ علم کے اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں سخت قسم کے جرمانے شامل ہیں جن میں مضمون میں فیل، اخراج یا معطّلی تک شامل ہے۔ نیز دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں سرقہ، جعل سازی، اور اکیڈمک مس کنڈکٹ سے متعلق واضح پالیسیاں موجود ہیں اور بیشتر عالمی یونیورسٹیاں مصنوعی ذہانت سے تیار کردہ مواد کو جعل سازی اور اکیڈمک مس کنڈکٹ ہی گردانتی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے راقم کا دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم میں جون میں شائع ہونے والا مضمون بعنوان مصنوعی ذہانت سے متعلق یونیورسٹیوں کی پالیسیاں دیکھیے۔(۱)

تیسرا پہلو یہ ہے کہ طلبۂ تخصص کے اندر دورانِ مطالعہ کُتب پڑھ کر حق اور باطل، کھرا اور کھوٹا، اور سچ اور جھوٹ میں تمیز کرسکنے کی صلاحیت اساتذہ کرام اور اکابر کی صحبت و تربیت، تقویٰ وللّٰہیت اختیار کرنے سے پیدا ہوجاتی ہے مگر یہ انسانی صفات مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر میں کیسے پیدا ہوں گی؟ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر میں کُتب کا مطالعہ (بمعنی ٹریننگ یا اجینٹک مصنوعی ذہانت کا استعمال) کرکے حق اور باطل، کھرا اور کھوٹا، سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔

چوتھا پہلو یہ ہے کہ طلبہ تخصص مطالعہ کی کثرت اور مشق کرکے مراجعِ اصلیہ (کسی علم وفن کے بنیادی

(۱) ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی، مصنوعی ذہانت سے متعلق یونیورسٹیوں کی پالیسیاں، دارالعلوم دیوبند کا ترجمان- ماہنامہ دارالعلوم، جون، انڈیا

مآخذ) کو ڈھونڈنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرتے ہیں۔ بنیادی فنی مآخذ کو ڈھونڈنے کے دوران طلبہ تخصص دیگر کئی حوالہ جات اور علمی مواد سے روشناس ہوتے ہیں، اگرچہ وہ علمی مواد اُس وقت اُن کے لیے مفید نہیں ہوتا۔ اس ساری مشق سے ان طلبہ تخصص کے اندر ایک علمی مواد کی یاداشت (میموری) تیاری ہوتی جاتی ہے جو کہ آگے چل کے دیگر مسائل و علمی موضوعات کی تحقیق میں اُن کو بہت معاونت فراہم کرتی ہے۔ اس کے بالمقابل مصنوعی ذہانت کے اگر فوراً ہی کسی تحقیق سے متعلق بنیادی فنی مآخذ معلوم کرلیا جائے تو طلبہ تخصص میں تعلیمی و تحقیقی استعداد نہ بن پائے گی۔ سائنسی تحقیقات یہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ اکثر مرتبہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر بنیادی فنی مآخذ کے من گھڑت حوالہ جات فراہم کردیتے ہیں۔

پانچواں پہلو یہ ہے کہ طلبہ تخصص کو مطالعہ کُتب پڑھ کر جو مطلوبہ استعداد و اہداف درکار ہیں ان کا ذکر حضرت مولانا عبداللہ نجیب صاحب نے اپنے مضمون میں پیش کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

عبارت صحیح طور پر پڑھنا، عبارت کے معنی اور مفہوم کو صحیح طور پر بیان کرنا، اگر عبارت میں کوئی سوال یا اعتراض ہو، تو اسے تفصیل سے تحلیل کرنا، عبارت کا فنی مطلب نکالنا شامل ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ عبارت کی صحیح تشریح اور تحریف میں فرق معلوم ہو اور تمیز پر قادر ہو۔ تلخیص تیار کرنے پر قادر ہونا۔ تلخیص کے ساتھ ہی متعلق ایک اور چیز ہے، یعنی کسی بھی ایک بحث کو پڑھنے کے بعد اس بحث کا نتیجہ کیا ہے؟ متکلم کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اس سے متعلق معنی اور نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ اس نوعیت کے امور کو سمجھنا۔ بحث و تحقیقی کام کرنے کے لیے نقد اور تنقیح کی استعداد ضروری ہے، تاکہ ہر بات کو پرکھا جاسکے اور تحلیل و تجزیہ کیا جاسکے، باتوں کی تصدیق اور صدق و کذب کا جائزہ لیا جاسکے۔ تخصص کا اہم کام بحث و تحقیق ہے۔ بحث و تحقیق میں صرف حوالہ جات اور مواد جمع کرنا کام نہیں ہے، بلکہ اصل کام مواد جمع کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔(۱)

طلبۂ تخصص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مطلوبہ استعداد و اہداف کو حاصل کریں۔ ان استعداد کو حاصل کیے بغیر طلبہ تخصص نہ معیاری فتویٰ نویسی کرسکیں گے اور نہ ہی بحث و تحقیق۔ لہٰذا مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر کو بطور معاون بھی استعمال نہ کیا جائے۔

(۱) حوالہ: مولانا عبداللہ نجیب، درجاتِ تخصص مطلوبہ استعداد و اہداف اور راہنما امور، اپریل، ماہنامہ بینات، کراچی

نفلی روزوں کے فضائل
اور انواع و اقسام

مولانا عصمت اللہ نظامانی ❖

دورِ حاضر میں یہ بات ظاہری طور پر دیکھنے میں آرہی ہے کہ مسلمان نفلی نماز، حج، قربانی، ذکر واذکار اور دیگر نفلی عبادات تو رغبت ونشاط سے ادا کرتے ہیں، لیکن ان کا رجحان ایک عظیم الشان عبادت یعنی نفلی روزے رکھنے کی طرف کم ہوتا جارہا ہے۔ صدقہ وخیرات کرنے والے، نفلی حج کرنے والے اور تہجد گزار تو بکثرت مل جائیں گے، مگر نفلی روزے رکھنے والے بہت کم دکھائی دیں گے؛ کیونکہ دیگر نفلی عبادات کرنے سے نفس کو اتنی مشقت برداشت نہیں کرنی پڑتی، بلکہ عبادت سے لذت محسوس ہوتی ہے، جبکہ روزہ رکھنے سے نفس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لیے نفلی روزے رکھنے کی جانب میلان کم ہوتا جارہا ہے۔ اگر روزوں کے دنیوی اور اخروی فوائد پیشِ نظر ہوں اور نفلی روزوں کے فضائل سے متعلق احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نفلی روزہ کتنی بڑی عبادت ہے، اور روزہ رکھنے والے کے لیے اللہ تعالی کی خوشنودی اور کتنے بڑے اجر وثواب کی بشارت آئی ہے، اور کس طرح حضور ﷺ پابندی سے نفلی روزے رکھتے، اور امت کو رکھنے کی تلقین اور ترغیب دیتے تھے۔ ذیل میں اسی عظیم الشان عبادت یعنی نفلی روزوں کے فضائل اور ان کی انواع واقسام کا احادیث کی روشنی میں ذکر کیا جارہا ہے۔

نفلی روزوں کی فضیلت

نفلی روزوں کے فضائل سے متعلق کئی احادیث ہیں، چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کی ایک حدیث میں آیا ہے: **كل عمل ابن آدم يضاعف، الحسنة عشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف، قال الله عز وجل: إلا الصوم، فإنه لي وأنا أجزي به.** (۱)

❖ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام، ۲/۸۰۷، رقم الحدیث ۱۱۵۱، الناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت

ترجمہ: انسان کا ہر عمل دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے، (اللہ تعالی فرماتے ہیں) سوائے روزے کے؛ کیونکہ وہ خالص میرے لیے ہے، اور میں خود ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

اور اہل علم نے تصریح کی ہے کہ یہاں روزے سے مراد صرف فرض روزے نہیں، بلکہ نفلی روزے بھی اس فضیلت میں شامل ہیں۔(۱)

صوم داؤدی؛ اللہ تعالی کے پسندیدہ روزے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے جب حضور ﷺ سے زیادہ روزے رکھنے سے متعلق اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے صومِ داؤدی یعنی ایک دن کے ناغے کے ساتھ روزے رکھنے کا حکم دیا۔(۲) اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے:

أحب الصيام إلى الله صيام داود، كان يصوم يوما ويفطر يوما. (۳)

ترجمہ: اللہ تعالی کے پسندیدہ روزے حضرت داود علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ ایک دن روزہ رکھتے، اور ایک دن افطار کرتے یعنی روزہ نہیں رکھتے تھے۔

پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنا

پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا بھی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے تھے، جب آپ ﷺ سے اس کے بارے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

تعرض الأعمال يوم الاثنين والخميس، فأحب أن يعرض عملي وأنا صائم.(۴)

ترجمہ: بندوں کے اعمال پیر اور جمعرات کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جاتے ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں پیش کیے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔

امام نوویؒ کے بقول فقہائے کرام پیر اور جمعرات کے روزوں کے مستحب ہونے پر متفق ہیں۔(۵)

---

(۱) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح للمبارکفوری ۷/۲۴۲، الناشر: إدارة البحوث العلمية والدعوة والافتاء، بنارس، الهند
(۲) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم داود علیه السلام، ۳/۴۰، رقم الحدیث ۱۹۷۹، الناشر: دار طوق النجاة، ط۱۴۲۲ھ
(۳) صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب أحب الصلاة إلى الله صلاة داود وأحب الصيام، ۴/۱۶۱، رقم الحدیث: ۳۴۲۰
(۴) سنن الترمذی، أبواب الصوم، باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس، ۲/۳۰۰، رقم الحدیث: ۷۴۷، الناشر: دار الغرب الاسلامی، بیروت
(۵) المجموع شرح المهذب للنووی، ۶/۳۸۶، الناشر: دار الفکر، بیروت

ہر ماہ تین روزے رکھنا

نبی کریم ﷺ ہر ماہ تین روزے رکھتے تھے، اور صحابہ کرام کو بھی یہ روزے رکھنے کی ترغیب دیتے تھے، چناچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے محبوب ﷺ نے تین باتوں کی وصیت کی کہ میں انہیں موت تک نہ چھوڑوں؛ ہر ماہ تین روزے رکھنا، چاشت کی نماز پڑھنا اور وتر پڑھ کر سونا۔(۱)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہیکہ جو شخص ہر ماہ تین روزے رکھے گا، تو گویا کہ اس نے ہمیشہ روزے رکھے؛ کیونکہ ہر نیکی دس گنا بڑھا دی جاتی ہے، اس حساب سے ایک روزے کا ثواب دس گنا ہوگا۔ حدیث کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

من صام من كل شهر ثلاثة أيام فذلك صيام الدهر .(۲)

ترجمہ: جو شخص ہر ماہ تین روزے رکھے گا تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے کی طرح ہوگا۔

ایامِ بیض کے روزے

ایامِ بیض یعنی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے روزے رکھنے کے سلسلے میں بھی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، چنانچہ حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے: **أمرنا رسول الله ﷺ أن نصوم من الشهر ثلاثة أيام البيض؛ ثلاث عشرة وأربع عشرة وخمس عشرة .(۳)**

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ہر ماہ ایامِ بیض کے تین دن یعنی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھیں۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایامِ بیض کے روزے کبھی نہیں چھوڑتے تھے، خواہ حالتِ سفر ہو یا حالتِ اقامت۔(۴)

عاشوراء یعنی دس محرم کا روزہ

رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے نبی کریم ﷺ عاشوراء یعنی دس محرم الحرام کا روزہ

(۱) صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب صلاۃ الضحی فی الحضر، ۲/۵۸، رقم الحدیث ۱۱۷۸
(۲) سنن الترمذی، أبواب الصوم، باب ماجاء فی صوم ثلاثۃ أیام من کل شہر، ۲/۱۲۷، رقم الحدیث: ۷۶۲
(۳) سنن النسائی، ۴/۵۴۰، رقم الحدیث ۲۴۲۱، الناشر: دار المعرفۃ، بیروت، ط ۱۴۲۰ھ
(۴) مسند البزار، ۱۱/۲۵۱، رقم الحدیث ۵۰۳۵، الناشر: مکتبۃ العلوم والحکم - المدینۃ المنورۃ

رکھتے تھے، اور صحابہ کو بھی رکھنے کا حکم دیتے تھے، جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا کہ جو چاہے دس محرم کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔(۱)

نیز آپ ﷺ نے عاشوراء یعنی دس محرم کے روزے کے بارے میں فرمایا: **وصيام يوم عاشوراء، أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله .(۲)**

ترجمہ: مجھے اللہ تعالی سے امید ہے کہ عاشوراء یعنی دس محرم کا روزہ رکھنے سے گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔

اور چونکہ مدینہ منورہ میں یہود بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے، اس لیے آپ ﷺ کی خواہش ۹/محرم کا روزہ رکھنے کی بھی تھی، اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عاشوراء یعنی دس محرم کے ساتھ ۹/یا ۱۱/محرم کا روزہ رکھنا زیادہ بہتر رہے گا۔(۳)

شعبان میں روزے رکھنا

نبی کریم ﷺ شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: **وما رأيته أكثر صياما منه في شعبان .(۴)**

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی دوسرے مہینے میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے: **كان أحب الشهور إلى رسول الله ﷺ أن يصومه شعبان .(۵)**

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جس مہینے میں روزے رکھنا زیادہ پسند کرتے تھے، وہ ماہِ شعبان تھا۔

شوال کے چھ روزے

فقہائے کرام نے شوال کے چھ روزوں کو مستحب کہا ہے(۶)، اور احادیث میں بھی ان کی بڑی

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، ۳/۴۴، رقم الحدیث ۲۰۰۲

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب باب استحباب ثلاثة أيام من كل شهر، ۲/۸۱۸، رقم الحدیث: ۱۱۶۲

(۳) ردالمحتار لابن عابدین، ۲/۳۷۵، الناشر: دارالفکر، بیروت، ط۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲م

(۴) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم شعبان، ۳/۳۸، رقم الحدیث ۱۹۶۹

(۵) سنن أبي داود، کتاب الصوم، باب فی صوم شعبان، ۲/۲۹۹، رقم الحدیث ۲۴۳۳، الناشر: دارالکتاب العربی، بیروت

(۶) مراقی الفلاح شرح نورالإیضاح للشرنبلالی، (ص ۲۳۶، الناشر المکتبۃ العصریۃ، ط ۱۴۲۵ھ ۲۰۰۵م

فضیلت آئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: **من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال، كان كصيام الدهر .(۱)**

ترجمہ: جو شخص رمضان کے روزے رکھے، پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی طرح ہوگا۔

عرفہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا

عرفہ کے دن یعنی ۹/ذی الحجہ کو روزہ رکھنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: **صيام يوم عرفة، أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله، والسنة التي بعده، وصيام يوم .(۲)**

ترجمہ: مجھے اللہ تعالی سے امید ہے کہ عرفہ کے دن یعنی ۹/ذی الحجہ کا روزہ گزشتہ اور آئندہ دونوں سالوں کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نفلی روزوں کے بہت سے فضائل ذکر کیے ہیں، اور جس طرح آپ ﷺ خود پابندی سے نفلی روزے رکھتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام کو بھی روزے رکھنے کی ترغیب وتاکید کرتے تھے۔

لہٰذا اگر ہمت وکوشش کی جائے اور بھوک وپیاس کی تھوڑی سی تکلیف برداشت کر کے نفلی روزے، خصوصاً احادیث میں ذکر کردہ ایام میں روزے رکھے جائیں تو یقیناً یہ کچھ مشکل نہیں ہوگا، اور بلاشبہ اس سے دنیا وآخرت کا فائدہ ہوگا۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب باب استحباب صوم ستة أيام من شوال إتباعاً لرمضان، ۲/۸۲۲، رقم الحدیث ۱۱۶۴
(۲) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب باب استحباب ثلاثة أيام من كل شهر، ۲/۸۱۸، رقم الحدیث ۱۱۶۲

قسط (۵)

ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباسؓ

ڈاکٹر فہد انوار ❖

حضرت عکرمہؒ کے تفسیری اقوال کا نمونہ

عکرمہؒ کے تفسیری کمالات کا اندازہ آپ کے ان اقوال سے لگایا جا سکتا ہے:

حضرت عکرمہؒ اس آیت: يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا (۱)

اے قید خانہ کے دونوں رفیقو! تم میں ایک تو (بری ہوکر) اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں نے ایک انگور کا دانہ زمین میں گاڑا اس سے انگور کی بیل اگ آئی، پھر اس میں انگور کے خوشہ نکل آئے میں نے انہیں توڑ کر اسے نچوڑا پھر اسے بادشاہ کو پلانے گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ تم تین دن جیل میں رہو گے پھر رہا ہو کر جیل سے نکل جاؤ گے پھر بادشاہ کو شراب پلایا کرو گے۔ (۲)

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ. (۳)

یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں ہم ان کی وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس اور ان لوگوں کے پاس آپ نہ اس وقت موجود تھے جبکہ وہ (قرعہ کے طور پر) اپنے اپنے قلموں کو پانی میں ڈالتے تھے کہ ان سب میں کون شخص مریم علیہا السلام کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جبکہ باہم وہ اختلاف کر رہے تھے۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں وہ لوگ یعنی بیت المقدس کے نگران و متولیان نہر اردن کے پاس آئے اور مریم علیہا السلام کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی کی اور قرعہ اندازی کے لیے یہ بات طے پائی کہ وہ سب

❖ اسلام آباد (۱) سورہ یوسف (۲) الدر المنثور ۴/۵۳۹ (۳) سورہ آل عمران

اپنے قلموں کو جس سے وہ توراۃ اور دیگر کتب مقدسہ لکھا کرتے تھے، نہر میں ڈالدیں سو جس کا قلم پانی کے بہاؤ میں نہ بہے بلکہ ٹھہر جائے تو وہی شخص مریم کی کفالت کرے گا پھر ان لوگوں نے اپنے اپنے قلموں کو نہر میں ڈال دیا تو زکریا علیہ السلام کے قلم کے سوا باقی سب کے قلم نہر کے بہاؤ میں بہہ گئے اور زکریا علیہ السلام کا قلم پانی کے بہاؤ میں ٹھہرا رہا۔(۱)

وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ (۲) اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عکرمہ فرماتے ہیں ان کفار پر ہر چیز لعنت کرتی ہے حتی کہ مکوڑے اور بچھو تک ان پر لعنت کرتے ہیں، کہتے ہیں: بنی آدم کے گناہوں کی نحوست کے سبب ہم سے بارش روک لی گئی۔(۳)

طاؤس بن کیسان حمیریؒ

طاؤس نام ابوعبدالرحمٰن کنیت الیمانی الجندی نسبت تھی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ سیدہ عائشہ، زید بن ثابت، ابوہریرہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے بھی شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی جن میں ان کے بیٹے عبداللہ اور امام زہری رحمہم اللہ شامل ہیں۔ فضل وکمال کے اعتبار سے طاؤس کا شمار کبار تابعین میں تھا، علم وعمل کے سرتاج تھے۔ عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس کی مثل کوئی نہیں دیکھا۔ قیس بن سعد کہتے ہیں کہ طاؤس ہمارے درمیان ایسے ہی تھے جیسے بصرہ میں ابنِ سیرینؒ۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طاؤس یمن کے شیخ اور ان کی برکت اور ان کے مفتی تھے۔ بکثرت حج کئے۔(۴) آپ سے حضرت ابنِ عباسؓ کی تفسیری روایات پہلے تین حضرات کی نسبت کم تعداد میں منقول ہیں۔

عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ

مکہ مکرمہ کے مفتی اور محدث تھے۔ مناسکِ حج کے علم میں فائق تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایسے تلمیذ ہیں جن کے بارے میں خود ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **یا اھل مکۃ تجتمعون علی وعندکم عطاء.** اے اہل مکہ! جب تمہارے پاس حضرت عطاء موجود ہیں تو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ تشریف لائے تو لوگ آپ سے مسائل دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: **تجتمعون لی المسائل وفیکم عطاء**

(۱) تفسیر ابن کثیر (۲) البقرۃ (۳) الدر المنثور ۱/۳۹۱ (۴) تذکرۃ الحفاظ ۱/۷۰

جب تمہارے اندر حضرت عطاء موجود ہیں تو مجھ سے مسائل پوچھنے کیوں آتے ہو؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور فرماتے ہیں کہ میں نے عطا سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔(۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر

علم تفسیر میں آپ رضی اللہ عنہ کی جلالتِ شان کے باوصف آپ کے تفسیری اقوال کو خصوصی ترجیح حاصل ہے۔تاہم اس معاملے میں آپ سے منقول تفسیر کی سندی حیثیت پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ بسا اوقات ایک میدان کی مسلم الثبوت شخصیت کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کردی جاتی ہے جن سے وہ بری ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس کے تفسیری ارشادات میں ان کو ترجیح ہوگی جو حدیث کی مسلم الثبوت کتب میں منقول ہیں اور جن کو نقدِ حدیث کے مختلف پیمانوں پر پرکھا جاچکا ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفسیری ارشادات پر مشتمل ایک کتاب تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس کے نام سے شائع ہوئی ہے۔جسے ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی صاحب نے ''قاموس المحیط'' میں جمع کیا ہے۔مصر سے کئی دفعہ شائع ہوئی۔پاکستان سے بھی شائع ہوچکی ہے۔عام طور پر اسے تفسیرِ ابنِ عباس کہا جاتا ہے۔اس تفسیر کے حوالے سے علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا تجزیہ استاذِ محترم حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے قلم سے ملاحظہ فرمایا جائے:

ہمارے زمانے میں ایک کتاب ''تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس'' کے نام سے شائع ہوئی ہے جسے آج کل عموماً ''تفسیر ابن عباس'' کہا اور سمجھا جاتا ہے،لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں کیونکہ یہ کتاب محمد بن مروان السدی عن محمد بن السائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس کی سند سے مروی ہے جسے محدثین نے ''سلسلۃ الکذب'' (جھوٹ کا سلسلہ) قرار دیا ہے لہذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(۲)

واضح رہے کہ سلسلۃ الکذب (جھوٹ کا سلسلہ) کی ترکیب ،محدثین کے نزدیک سلسلۃ الذہب (سونے کا سلسلہ/سونے کی زنجیر) کے مقابلے میں تخلیق کی گئی ہے۔

سلسلۃ الذہب (سونے کی زنجیر) کی سند یوں ہے: **الشافعي عن مالك عن نافع عن ابن عمر**

واضح رہے کہ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خود کی تحریر کردہ نہیں ہے جیسا کہ عموماً تاثر دیا جاتا ہے بلکہ یہ تفسیر ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشافعی (المتوفی ۸۱۷ھ) کی تالیف ہے، جس

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ۷۵/۱، دارالکتب العلمیہ بیروت (۲) علوم القرآن، ص:۴۵۸

میں انہوں نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے تفسیری اقوال کلبی عن ابی الصالح کی روایت سے نقل کئے ہیں۔امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ کلبی کی تفسیر اول سے لے کر آخر تک سب جھوٹ ہے اس کو پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔(۱)

☆ علامہ محمد طاہر الحنفی لکھتے ہیں کہ کمزور ترین روایت فن تفسیر میں کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ہے اور جب اس کے ساتھ محمد بن مروان السدی الصغیر بھی مل جائے تو پھر تو یہ جھوٹ کا ایک پلندہ ہے۔(۲)

ایک سوال : جب رئیس المفسرین عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب تفسیر قابلِ اعتماد نہیں تو آپ کے تفسیری اقوال سے استفادے کی کیا صورت ہو؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابنِ عباس کی طرف منسوب تمام اقوال کو محدثین کے اصولِ حدیث پر پرکھا جائے گا۔توثیق وتضعیف اور رواۃ کی جرح وتعدیل کے انہی پیمانوں کو استعمال کیا جائے گا جو دیگر احادیث کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔جس طرح کتبِ احادیث میں نقل کردہ دیگر احادیث کی سند کو دیکھا جاتا ہے ایسے ہی حضرت ابنِ عباس کی بیان کردہ تفسیر کی سند کو دیکھ کر صحت وسقم کا فیصلہ کیا جائے گا۔اس حوالے سے جہاں طریق محمد بن روان السدی عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس کو سلسلۃ الکذب قرار دیا ہے۔وہاں ہمارے دور میں حضرت ابن عباس کی تفسیر کے حوالے سے اہم اور گرانقدر کام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کے ہوتے ہوئے تنویر المقیاس نامی تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی۔

کتاب ''تفسیر ابن عباس ومرویاتہ فی التفسیر من کتب السنۃ'' مؤلف عبدالعزیز بن عبداللہ الحمیدی۔

دوسری کتاب ''ابن عباس ومنہجہ فی التفسیر، وتفسیراتہ الصحیحۃ فی الثلث الأول من القرآن'' مؤلف: آدم محمد علی

تفسیر ابن عباس ومرویاتہ فی التفسیر من کتب السنۃ کے مؤلف ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبداللہ الحمیدی نے کتب ستہ سے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیری روایات کو جمع کیا ہے اور ان کی سند پر بحث بھی کی ہے۔اس کو جامعہ ام القریٰ نے شائع کیا ہے۔یہ درحقیقت دکتوراہ (پی ایچ ڈی) کا مقالہ ہے جس میں ہر روایت پر شراحِ حدیث کی نقد کو ذکر کر کے مقام ومرتبے کا تعین کیا گیا ہے۔تفسیرِ قرآن کی یہ ایک گرانقدر خدمت ہے اور اس سے حضرت ابنِ عباس کے صحیح تفسیری اقوال تک رسائی ہوتی ہے۔اس کتاب کے مقدمے میں محقق دکتور عبدالعزیز الحمیدی نے حضرت ابنِ عباس کی تفسیر یعنی ان کی طرف منسوب تفسیری اقوال کو اخذ کرنے کے حوالے سے اہلِ علم میں تین رجحانات ذکر کئے ہیں جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

---

(۱) ازالۃ الریب، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ، ص، بحوالہ تذکرۃ الموضوعات : ص)

(۲) ایضا، بحوالہ تذکرۃ الموضوعات : صواتقان ج ص

۱- ایک طبقہ وہ ہے جس نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہر تفسیر کو لیا مثلاً مفسرین میں سے ثعلبیؒ اور واحدیؒ۔لہٰذا ان حضرات کی تفسیر میں بہت سی موضوع روایات بھی شامل ہوگئیں۔

۲- دوسرا طبقہ وہ ہے جس نے حضرت ابنِ عباس سے منسوب ان ہی روایات کو لیا جن کی نسبت حضرت ابنِ عباس سے صحیح طور پر ثابت ہوئی۔تاہم اس طبقے نے حضرت ابنِ عباس کی مرویات میں سے تھوڑی روایات کو لیا مثلاً امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ۔

۳- تیسرا طبقہ وہ ہے جس نے احادیثِ موضوعہ سے بوجہ ان کے رواۃ کے جھوٹ میں مشہور ہونے کے اجتناب کیا ہے لیکن انہوں نے صحیح اور ضعیف روایات کو خلط ملط کردیا ہے جیسے وہ مفسرین جنہوں نے اپنی تفاسیر میں صحابہ وتابعین کی تفاسیر نقل کرنے کا اہتمام کیا جیسا امام ابنِ جریر وابنِ حاتمؒ نے کیا۔علمائے حدیث میں سے جن حضرات نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے کچھ حصے نقل کئے ان میں امام احمد، عبدالرزاق صنعانی، ترمذی، حاکم وبیہقی رحمہم اللہ ہیں۔متاخرین مفسرین میں سے بڑی تعداد نے ان روایات کو بلاتمیز نقل کردیا ہے۔البتہ بعض مفسرین عقائد واحکام جیسے اہم موضوعات کی آیات سے متعلق روایات کا ضعف ظاہر کردیتے ہیں جیسا کہ حافظ ابنِ کثیرؒ کرتے ہیں۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس سے تفسیری اقوال کو ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ان میں سے جید ترین علی بن طلحہ ہاشمی رحمہ اللہ کا طریق ہے۔امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بھی اکثر اسی طریق پر اعتماد کیا ہے۔علی بن طلحہ کا سماع ابنِ عباس سے ثابت نہیں بلکہ وہ ابنِ عباس کے شاگردوں حضرت مجاھد یا حضرت سعید بن جبیر سے ابنِ عباس کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ واسطہ جان لینے کے بعد جبکہ وہ ثقہ بھی ہو کچھ مضر نہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مصر میں تفسیر کا ایک صحیفہ ہے جسے علی بن طلحہ نے روایت کیا ہے، اگر آدمی اس کے لئے مصر کا سفر کرے تو ایک بڑی چیز کا ارادہ کرنے والا ہوگا۔(۲) (جاری)

(۱) مقدمہ تفسیر ابن عباس، شیخ عبدالعزیز الحمیدی، جامعہ ام القریٰ

(۲) الاتقان، ۴/۲۳۷، الھیئۃ المصریہ

قسط (۱)

کرپٹوگرافی: عہد بہ عہد

کلاسکل کرپٹوگرافی کا تاریخی جائزہ

مولانا سالم برجیس ندوی❖

۲۰۰۸ء میں جب بٹ کوائن کی خبر دنیا بھر میں پھیلی، تو بٹ کوائن کے نئے نظام کو دیکھ کر دنیا ششدر رہ گئی۔ کیوں کہ روایتی نظام کے بیچ ایک عجوبہ نظام کی آہٹ کسی معجزے سے کم نہ تھی، جس کا پورا نظام ڈیجیٹل دنیا پر منحصر تھا۔ دراصل ستوشی ناکاموٹو (Satoshi Nakamoto) نامی شخص کے حوالے سے جو پیپر انٹرنیٹ کی دنیا میں عام (Viral) ہوا، وہ کوئی عام مضمون یا حکم نامہ نہیں تھا، بلکہ ایک ایسا تاریخی دستاویز تھا، جس میں نئے نظام کے عمل درآمد کے سلسلہ میں ریاضیاتی فارمولے (Cryptography)، حفاظتی منصوبے (Security) اور بلاک چین سسٹم کا ایک تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا تھا۔ یہ دنیا کے لیے ایک نیا تجربہ تھا، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دیگر ماہرین (Developers) نے لوگوں کو کرپٹو کے عناصر ترکیبی میں الجھا کر مبہوت کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس کا سیدھا فائدہ یہ ہوا کہ لوگ ستوشی کے اس خیال سے حد درجہ متاثر ہوئے اور ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ کرپٹو کا ایسا مضبوط نظام پیش کرنے والا فرد کوئی یگانہ صلاحیت کا مالک ہی ہوسکتا ہے۔ نتیجتاً ستوشی کے حوالے سے محض مفروضات مشہور ہوگئے اور اس کے جنس تک کی شناخت نہ ہوسکی۔

یہ موضوع بھی ایک دلچسپ تحقیق کا حصہ بن سکتا ہے کہ ستوشی کے پیچھے کی کہانی کیا ہے؟ اس پر اب تک کوئی مدلل بحث سامنے نہیں آئی ہے۔ جب کہ اکثر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کے معاشی نظام کے سامنے ایک دوسرا نظام کیسے اتنے مستحکم انداز میں چل رہا ہے اور اس کے گہرے اثرات ہمارے موجودہ معاشی نظام پر بھی دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ فی الحال اس سے قطع نظر کر کے ستوشی کے پیش کردہ تاریخی دستاویز پر گفتگو مقصود ہے۔

❖ رفیق علمی: ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

ستوشی کے نظریات

جب بٹ کوائن کا شہرہ دنیا بھر میں بڑھنے لگا تو دو طرفہ تماشا دیکھنے کو ملا؛ ایک طرف اس کی انفرادیت لوگوں کے لیے جاذب نگاہ بن گئی، تو دوسری طرف ہمارا پڑھا لکھا طبقہ اسے اعداد و شمار کا مفروضہ سمجھ کر پیٹھ پھیرنے لگا۔ اس کی صاف وجہ موضوع سے لاعلمی اور تاریخ سے ناواقفیت تھی۔ ہم قدیم عہد کی بات نہیں کرتے، بلکہ بٹ کوائن سے بیس سال قبل بیسویں صدی عیسوی کے اخیر میں لے چلتے ہیں۔ جب یورپ میں ٹھیک سے انٹرنیٹ کا چلن عام بھی نہیں ہوا تھا، اس وقت ڈیجیٹل کیش کے چلن کی کوششیں سامنے آئی تھیں، مگر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی محدود رسد، تاجر و عام افراد کے درمیان مواصلات کی کمی اور روایتی بینکوں کی بے جا دراندازی کے سبب جلد ہی بندی کا شکار ہو گیا۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں جب انٹرنیٹ کی سہولیات بہم پہنچائی گئیں تو ایک بار پھر ڈیجیٹل کیش کی شکل میں بٹ کوائن کا ایجاد ہوا۔ اس وقت جب ستوشی ناکاموٹو نے اس نئے نظام کا خاکہ اپنے میل کے واسطہ سے نشر کیا تو اس میں کرپٹوگرافی اور بلاک چین سسٹم کا تفصیل سے ذکر کیا اور اپنے اس نظریہ کی تائید و توثیق کے لیے بعض مثالوں کی طرف اشارہ بھی کیا۔ چوں کہ ستوشی کا مجوزہ نظام ماضی میں تجرباتی مراحل سے گزر چکا تھا۔ اس کی خوبی و خامی واضح ہو چکی تھی، اسی لیے وہ دنیا کے سامنے ایک مستحکم نظام کی مضبوط دعویداری کر رہا تھا۔

اس مسئلہ کی تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ کرپٹوگرافی کا عہد بہ عہد تاریخی جائزہ لیا جائے، تاکہ کرپٹوکرنسی جیسے جدید نظام کی بنیادوں اور حقیقتوں کو سمجھا جا سکے اور اس پر سنجیدگی سے غور و فکر کیا جا سکے۔ یہ مقالہ اسی سلسلہ کی پہلی پیش رفت ہے۔ اس میں صرف ''کلاسکل کرپٹوگرافی'' کا موضوع زیر بحث آئے گا۔ بقیہ ان شاء اللہ آئندہ سلسلہ وار ادوار کا تجزیہ پیش ہوگا۔

کرپٹوگرافی

یہ دو یونانی لفظوں سے مل کر بنا ہے، جن کی اصل Kryptos یعنی خفیہ کاری اور Graphein یعنی نویسی ہے(۱)۔ اس کے لفظی معنی کسی خاص علامت کے ذریعہ معلومات کو خفیہ رکھنا ہے(۲)۔ اس کا استعمال اس لیے کیا جاتا ہے کہ کسی چیز کو خفیہ رکھ کر کسی دوسرے شخص کو اس طرح بتایا جائے کہ درمیان میں کوئی تیسرا شخص اس سے واقف نہ ہو سکے۔ کئی موقعوں پر یہ ضرورت آن پڑتی ہے کہ دو لوگ آپسی تبادلہ خیال

(1) Kathleen Richards, Cryptography, Sponsored by Tech Target Network, Accessed on May 19, 2024.
(2) Cambridge Dictionary (Online(Accessed on May 18, 2024.

کرتے ہیں اور اسے دوسرے لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ دونوں فرد ایک جگہ ہوں تو آسانی خفیہ بات چیت ہو جاتی ہے، لیکن اگر دونوں الگ الگ جگہ پر ہوں تو پھر خفیہ بات چیت کے لیے کسی ایسے طریقے کی ضرورت ہوگی جس سے کوئی تیسرا فرد یا گروہ واقف نہ ہو۔ اسی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کرپٹوگرافی کا استعمال کیا جانے لگا۔

کلاسکل کرپٹوگرافی

یہ کرپٹوگرافی کا سب سے قدیم طریقہ کار ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے کئی سو سال قبل مصر، یونان و روم کی تہذیب میں پایا جاتا تھا۔ یہ تہذیبیں اپنے اپنے وقت کی غالب تہذیب تھیں، اس لیے اس کا استعمال اس وقت کے حساب سے حیرت انگیز تھا۔ عموماً یہ طریقہ بادشاہوں کیلیے خاص تھا اور عام لوگوں کی دست رس سے کوسوں دور تھا۔ جنگوں کے موقعوں پر اور فوجی افسروں کو کوئی خاص ہدایت جاری کرنے کے لیے اس کا استعمال عام تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کرپٹوگرافی کا ایک کلاسکل دور تھا، کیوں کہ پتھروں اور چمڑوں پر اس طرح کی منظّم نقاشی، محفوظ لکھاوٹ اور آسان انداز کہ برسوں اس طریقہ پر عمل کیا گیا اور ایک مضبوط بنیاد فراہم ہوئی۔ اس میں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ ان تینوں تہذیبوں میں یکے بعد دیگرے کرپٹوگرافی کا جو طریقہ رائج ہوا، وہ پہلے والے سے بہتر (Upgrade) تھا، لیکن بعض چیزوں مثلاً پتھر، چمڑا اور لکھاوٹ میں یکسانیت کی وجہ سے ان تینوں کو ایک عہد تسلیم کیا جاتا ہے اور اسے کرپٹوگرافی کا کلاسکل یا قدیم عہد کا نام دیا جاتا ہے۔

مصری تہذیب

اس کا سب سے پہلا استعمال قدیم مصری تہذیب میں انیسویں صدی قبل مسیح میں ملتا ہے (۳)۔ اس میں معلومات کو خفیہ رکھنے کے لیے پتھروں پر تصویری خط (Pictorial Writing) کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ان تصویروں میں جانور، ہتھیار اور ریاضی کے مختلف طریقوں، مثلاً گولا، مثلث، مربع اور مخمس وغیرہ کی طرح ۷۰۰ سے زائد علامات پائی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ معلومات کو پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔ اسیو نانی زبان میں Heiroglyph کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی منظّم نقاشی (Sacred Carving) کے ہیں (۴)۔

(3) Josh Schneider, A brief history of cryptography: Sending secret messages throughout time, Sponsored by IBM, Accessed on May 19, 2024.
(4) What were ancient Egyptian hieroglyphs? Sponsored by BBC, Accessed on May 19, 2024.

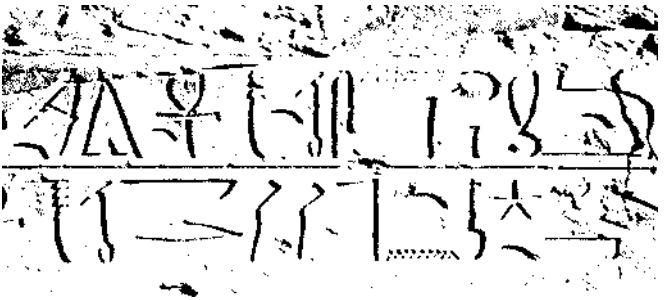

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسے اوپر سے نیچے اور دائیں بائیں کہیں سے بھی پڑھا جاسکتا تھا۔اس خفیہ کاری کو واضح کرنے کے لیے ایک خاص قسم کے پتھر (Rosetta Stone)(۵) کی ضرورت پڑتی تھی، جو ان دنوں "برٹش میوزیم "لندن میں موجود ہے۔اس پر مصری، عمرانی اور یونانی زبان میں متوازی تحریریں کندہ ہیں، جس کے ذریعہ سے خفیہ پیغام کو پڑھا جاتا تھا۔

پینیے لوپ ولسن(۶)(Penelope Wilson) اپنی کتاب Hieroglyphs: A very short introduction میں اس بات کا دعوی کرتی ہیں کہ مصری تہذیب میں جو کرپٹوگرافی رائج تھی، اس کا نقش اول پانچ ہزار قبل مسیح میں ملتا ہے۔ دریائے نیل کے آس پاس کی آبادی قبائلیوں پر مشتمل تھی۔ان کا پسندیدہ مشغلہ شکار تھا اور زندگی گزر بسر کرنے کا یہی واحد واسطہ بھی تھا۔ان کی زبان بالکل الگ طرز کی تھی۔ان مصری قبائل میں شمالی افریقہ کی ملی جلی زبانیں اور ایشاء میں بولی جانے والی عربی اور عبرانی زبانوں کا امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کو افرو ایشائی زبان (Afro-Asiatic Language) کہتے ہیں(۷)۔ان کے تہذیبی ورثہ سے یہ آثار ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ تہذیب کی حفاظت اور یادداشت کی خاطر پتھروں پر چیزوں کے نقش اتار لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہیروگلیفس (Hieroglyphs) میں جو علامات پائی جاتی ہیں، ان میں زیادہ تر جانوروں، پرندوں، جھیل اور پیڑ پودوں کی تصویریں ملتی ہیں۔اسی سبب سے یورپین مصنفہ کا یہ دعوی درست معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے کا یہ طریقہ کرپٹوگرافی کا اولین نقش ہے۔وہ لکھتی ہیں:

---

(۵) اٹھارہویں صدی عیسوی کے اخیر میں جس وقت نپولین نے مصر پر چڑھائی کی، اس وقت اس پتھر کی بازیافت ہوئی اور ۱۸۰۲ء میں اسے لندن روانہ کیا گیا۔اس کا ورچوئلی مشاہدہ کرنے کے لیے دی برٹش میوزیم کی ویب سائیٹ پر جائیں۔(www.britishmuseum.org)

(۶) یہ درہم یونیورسٹی انگلینڈ (Durham University England) کے شعبہ علم الآثار میں ایسوسیٹ پروفیسر ہیں۔ان کی پی ایچ ڈی کا عنوان ہیروگلیفس (Hieroglyphs) تھا، جس میں انھوں نے اہم دریافتیں پیش کی ہیں اور اس مشکل موضوع کو سلیقے سے سمیٹا ہے۔یورپ میں اس موضوع پر تو خاصا کام ہوا ہے، لیکن اس کتاب کی خاصیت یہ ہے کہ یہ مختصر ہے اور زبان انتہائی سہل ہے۔

(7) Penelope Wilson (2003), Hieroglyphs: A very short introduction, Published by Oxford University Press. Page: 2

Rock pictures left behind by these early hunters are found in the Western Desert in the areas of the Gilf Kebir, Uweinat, and around the Kharga Oasis. These rock pictures may be the beginnings of pictorial writing in this area that is, the means of communicating a thought or idea by drawing a sign with a tool held in the hand.(۸)

مصر کے قبائلی شکاریوں کے باقیات میں سے یہ چٹانی تصویریں مصری آبادی سے دور مغربی صحراء کے پہاڑی اور ریتیلے علاقوں میں پائی گئی ہیں۔اس میں اس بات کا غالب امکان ہے کہ یہ چٹانی تصویریں، تصویری خط کا پیش خیمہ ہو، جنھیں دستی آلوں سے تراش کر خیالات کی ترسیل کا ذریعہ بنایا جاتا تھا۔

مجھے یورپین مصنفہ کے اس خیال سے بالکلیہ اتفاق ہے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ انھیں صرف ابتدائی نقوش ہی تسلیم کیا جاسکتا ہے، باضابطہ کرپٹوگرافی نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ ان ابتدائی نقوش سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خیالات کی ترسیل کا ذریعہ تھے اور عام لوگوں میں رائج تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی خیرہ کن تہذیب وتمدن کی بقا کی خاطر اس کی حفاظت کو ضروری سمجھتے تھے۔اس بات کی توثیق مصر کے قدیم باقیات سے بھی ہوتی ہے، جو فرعون کے عہد میں پائے گئے۔ جب کہ کرپٹوگرافی (پیغام کی خفیہ کاری) کی دریافت فرعون کے عہد سے قدیم ہے(۹)۔

اسی لیے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ پانچ ہزار سال قبل مسیح میں جو اثرات ملتے ہیں وہ ایک تہذیبی بیانیہ ہے، جسے مصری ثقافت میں اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جب کہ کرپٹوگرافی کا استعمال بادشاہوں تک محدود تھا اور عام لوگوں کی دست سے باہر تھا۔ (جاری)

(8) Wilson (2003), Hieroglyphs, Page: 2

(۹) یہاں جس فرعون کا ذکر ہے، وہ حضرت موسیٰ کے عہد کا فرعون مراد ہے۔ مؤرخین کے بقول رمسیس دوم اور اس کا بیٹا منفتاح ہے۔اس کا عہد بارھویں تا تیرھویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ یورپین مؤرخین کی اسی رائے کو اسلامی مؤرخین نے بھی نقل کیا ہے، جن میں عرب میں رشید رضا مصری اور ہندوستان میں خواجہ حسن نظامی قابل ذکر ہیں۔اس پر خواجہ حسن نظامی کی اہم تاریخی تصنیف ''تاریخ فرعون'' ملاحظہ ہو۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان اور خلیفہ عبداللہ بن زبیرؓ

مولانا ریاض فردوسی ❖

مروان بن حکم کے قتل کے بعد اس کا لڑکا عبدالملک بن مروان تخت نشیں ہوا، وہ بنو امیہ کا پانچواں خلیفہ تھا اور وہ سال ۶۸۵ء سے لیکر سال ۷۰۵ء تک قریب بیس سالوں تک حکومت کی اور اسکی خلافت ملک شام، فلسطین اور مصر تک قائم تھی۔ عبدالملک کی خلافت کے دوران مکہ اور مدینہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت قائم کر چکے تھے۔ عراق کے دو مشہور شہر بصرہ اور کوفہ کی حکومت ابھی تک اموی خلافت کے ماتحت نہیں ہوئی تھی، بصرہ پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم تھی اور وہاں کے گورنر عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیرؓ تھے، دوسری طرف کوفہ پر مختار بن عبیدہ ثقفی نامی شخص کی خودمختار اور آزادانہ حکومت قائم تھی۔

جس وقت شہید کربلا کا واقعہ ہوا تھا اس وقت مختار ثقفی جیل میں بند تھا، جیل ہی میں شہادت حسینؓ کی خبر اسے موصول ہوئی جسے سن کر وہ بہت ہی غصہ اور غمزدہ ہوا تھا اور جیل ہی میں قسم کھائی تھی کہ اگر میں زندہ رہا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا عوض قاتلینِ سے لوں گا اور ایسا خون بہاؤں گا کہ لوگوں کو بخت نصر کا زمانہ یاد آجائے گا۔ اہل کوفہ نے مختار ثقفی کے ہاتھوں پر بیعت کی اور بعض لوگوں نے مدینہ جا کر حضرت محمد بن حنفیہؒ (محمد ابن حنفیہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہ اور خولہ بنت جعفرؓ کے صاحب زادے تھے۔ ان کی ماں قبیلہ بنو حنیفہ سے تعلق رکھتی تھی۔ ماں کی نسبت سے مولیٰ علی کرم اللہ وجہ کے اس لڑکے کو محمد بن حنیفہ کہتے ہیں۔ شہید کربلا کے بعد یہ شیعوں کے سیاسی رہنما مقرر ہوئے) سے ملاقات کی، انہوں نے کوفہ والوں سے کہا کے انہوں نے مختار ثقفی کو قاتلینِ حسین سے بدلہ لینے کے لیے مامور کیا ہے۔ مختار نے اپنے ہمرایوں کے ساتھ کوفہ میں خروج کیا۔ کوفہ میں کوئی بھی گھر ایسا نہیں بچا جس میں ایک دو یا زیادہ آدمی قتل نہ کیے گئے

❖ ادارہ فاطمۃ الزہرا پٹنہ

ہوں۔ مختار نے لوگوں کی فہرستیں مرتب کروائیں جو ابن زیاد کے لشکر میں شہادتِ حسینؓ کے وقت موجود تھے یا جنھوں نے کسی قسم کا کوئی حصہ میدان کربلا میں لیا تھا۔ قتل وگرفتاری کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ لوگ گھروں سے گرفتار ہو ہو کر آتے تھے اور قتل کیے جاتے تھے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان مختار ثقفی کی بڑھتی ہوئی طاقت واقتدار کو روکنے کے لیے موصل کے گورنر عبیداللہ بن زیاد کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا، شامی فوج کا مقابلہ ابراہیم بن مالک بن اشتر کی قیادت میں کوفی فوج کے ساتھ اگست ۶۸۶ء میں موصل میں دریا خازر کے پاس ہوا۔ اس جنگ میں لشکر شام کو شکست ہوئی اوران کا سپہ سالار اعظم عبیداللہ بن زیاد مارا گیا اوراس کا سر کاٹ کر مختار کے پاس کوفہ کی جانب روانہ کیا گیا۔ اس شکست سے موصل اموی مملکت سے نکل جاتا ہے اوراس پر مختار ثقفی کا قبضہ ہو جاتا ہے اور ابراہیم بن مالک بن اشتر اس کا گورنر مقرر ہوتا ہے۔

مختار ثقفی کے ڈر سے بہت سے لوگ کوفہ سے بھاگ کر بصرہ پہونچے اور بعض لوگ براہ راست مدینہ پہونچ کر خلیفہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے مختار ثقفی کے ظلم اور تشدد کی شکایت کی اور مزید یہ کہ وہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام ان کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی مصعب بن زبیرؓ کو مختار ثقفی کے استیصال کے لیے کوفہ پر حملہ کرنے کا حکم جاری کیا۔ مصعب بن زبیرؓ اور فارس کے گورنر مہلب بن ابی صفرہ اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ سے کوفہ کی جانب مختار ثقفی کے خلاف فوج کشی کے لیے نکلے۔ جنگ میں مختار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر دارالامارۃ میں اپنے ایک ہزار حامیوں کے ساتھ محصور ہو گیا۔ آخر کار مختار خوشبو، تیل اور عطر لگا کر قلعہ کا دروازہ کھولا اور مقابلہ کے لیے نکلا۔ مختار ثقفی مارا گیا اور اور قریب چھ ہزار محصورین کو گرفتار کیا گیا اور مشورہ کے بعد مصعب بن زبیرؓ نے یہی فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ سب قتل کر دئے گئے اوراس طرح کوفہ پر خلیفہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قبضہ ہو گیا۔

فتنہ مختار کو ابن زبیرؓ نے ختم کر دیا تو موقع کو غنیمت جان کر عبدالملک بن مروان ایک لشکر جرار کے ساتھ شام سے عراق کی جانب مصعب بن زبیرؓ سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ دار جاثلیق کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، عبدالملک یہ نہیں چاہتا تھا کہ مصعب بن زبیر قتل کیے جائیں۔ اس لئے اس نے مصعب کو امان پیش کیا لیکن انہوں نے عبدالملک کے امان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور جنگ میں شہید ہونا بہتر سمجھا۔ اس جنگ میں افسوس کی بات یہ تھی کہ کوفی لشکر نے اپنے امیر کا جنگ میں ساتھ نہیں دیا اور میدان جنگ میں تماشہ بین بنے رہے اور بعض فوجیوں کو عبدالملک نے انعام واکرام کا لالچ دیکر اپنی

طرف کرلیا تھا جس سے مصعب کی فوج کمزور پڑ گئی۔ آخر میں مصعب بن زبیر کو شکست ہوئی اور شامیوں نے ان کا سر کاٹ لیا اور کوفہ سے دمشق کی جانب بھیج دیا۔ دس برس کے بعد کربلا کا واقعہ دار جاثلیق میں دہرایا گیا۔ عبدالملک نے اسی میدان میں تمام لشکر کوفہ سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔ اس کے بعد فارس، خراسان، بصرہ واہواز وغیرہ کے عاملوں نے عوام سے خلیفہ عبدالملک کی خلافت کی بیعت قبول کروائی گئی۔ اس طرح عراق پر عبدالملک کا قبضہ ہوگیا اور اب حجاز کو فتح کرنا باقی رہ گیا۔ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ جس طرح ایک جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے اسی طرح ایک خلیفہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے مقابل میں کوئی اور بھی خلیفہ رہے۔ عبدالملک چاہتا تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے احترام میں انہیں خلیفہ رہنے رہنا دیتا لیکن اس نے ان کے خلاف فوج کشی کرنا ہی بہتر سمجھا۔

عراق میں اپنی حکومت قائم اور مستحکم کرنے کے بعد عبدالملک بن مروان نے فیصلہ کیا کہ حجاز کے خلیفہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو زیر کیا جائے۔ اس مشن پر اموی سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی تین ہزار کا لشکر لیکر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف کوفہ سے روانہ ہوا اور رمضان المبارک کے مہینہ میں مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا۔ دوسری طرف طارق بن عمر پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا اور وہاں زبیر رضی اللہ عنہ کے مقررہ گورنر طلحہ بن عبداللہ بن عوف کو شکست دیکر مدینہ پر قابض ہونے کے بعد حجاج بن یوسف کی مدد کے لیے مکہ مکرمہ کوچ کیا۔ ایام حج میں حجاج نے سنگباری شروع کی لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے درخواست پر حج ختم ہونے تک سنگباری بند کر دی گئی۔ اسی درمیان عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بہت سے آدمی حتی کہ ان کے دولڑکے زبیر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حجاج کے پاس چلے گئے۔ جب زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف چند لڑنے والے لوگ رہ گئے تو حجاج نے زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہماری آمان میں آجایں اور امیر المومنین عبدالملک کی بیعت اختیار کرلیں لیکن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس آمان کو لینے سے مسترد کر دیا۔ بالاخر زبیر رضی اللہ عنہ جنگ میں شہید ہوگئے، ان کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیجا گیا اور لاش کو لٹکا دیا گیا۔ حجاج کو حجاز کا گورنر بنا دیا گیا۔ اس نے اہل مکہ سے خلافت عبدالملک کی بیعت لی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو ڈھا کر از سر نو خانہ کعبہ کی تعمیر کی گئی۔

حجاج بن یوسف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کو سولی سے اتروایا اور یہود کے قبرستان میں پھینکوا دیا، پھر ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو بلوایا، انہوں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا، اس نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میرے پاس آؤ ورنہ میں کسی آدمی کو بھیجوں گا جو تم کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا میرے پاس لے آئے گا، حضرت اسماءؓ نے انکار کر دیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس

وقت تک تیرے پاس نہیں آؤں گی جب تک تو مجھے بالوں سے پکڑوا کر گھسٹوا کر نہیں بلائے گا، پھر حجاج نے جوتیاں پہنیں اور اکڑتا ہوا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور کہنے لگا" تو نے دیکھا میں نے اللہ کے دشمن کو کیسے قتل کیا" حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم نے اس کی دنیا خراب کی اور اس نے تیری عاقبت برباد کر دی، مجھے معلوم ہوا کہ تو اس کو دو کمر بندوں والی کا بیٹا کہتا ہے، تو سن لے اللہ کی قسم! میں دو کمر بندوں والی ہوں، کمر بند کے ایک ٹکڑے کے ساتھ تو میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کھانے کو سواری کے ساتھ باندھا تھا، اور دوسرا ٹکڑا وہ ہے جس سے کوئی عورت مستغنی نہیں ہوتی، اور سن! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حدیث بیان فرمائی کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ظالم ہوگا، کذاب کو تو ہم پہلے دیکھ چکے ہیں اور رہا ظالم تو میرے خیال میں وہ صرف تو ہی ہوسکتا ہے۔ ان کی صاف گوئی، بے باکی اور قوت ایمان دیکھ کر حجاج وہاں سے چلا گیا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

عبدالملک کے دور حکومت میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے اپنا سکہ بنایا اور جاری کیا۔ اس سے پہلے شام، عرب مصر وغیرہ میں رومیوں کے سکے رائج تھے اور عراق میں عموماً ایرانیوں کے سکے رائج تھے۔ عبدالملک نے درہم و دینار کے سکے مضروب کرایا اور اس کے ایک طرف قل ھو اللہ احد لکھوایا۔ اس کے دور خلافت میں ہرقلہ اور مصیصہ رومیوں سے فتح کیا۔ عبدالملک کے زندگی میں ہی اسکا بھائی اور ولی عہد عبد العزیز بن مروان جو مصر کا گورنر تھا انتقال کر گیا۔ اس لیے عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید اور سلیمان کی ولی عہدی کے لیے تمام صوبوں سے بیعت لے لیں۔ تیرہ برس حکومت کرنے کے بعد عبدالملک سن ۸۵ (۷۰۵ء) میں انتقال کیا۔

قسط (۲)

احوال و آثار

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (قدس سرہٗ)

(م ۱۳۱۷ھ)

مولانا نفیس الحسینی

استفاضۂ مثنوی : حضرت حاجی صاحبؒ نے مثنوی مولانا رومؒ مولانا شاہ عبدالرزاقؒ سے پڑھی۔ انہوں نے حضرت مولانا شیخ ابوالحسن سے اور شیخ ابوالحسن نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (خاتم دفتر ششم) سے سماعۃ وقراءۃ مثنوی شریف پڑھی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ ممدوح نے عالم رویا میں مولانا رومؒ سے مثنوی معنوی پڑھی تھی۔ مثنوی کے دفتر ششم کا خاتمہ بھی مفتی صاحبؒ نے مولانا رومؒ کے ارشاد پر لکھا۔

تکمیلِ سلوک کا داعیہ : الحاصل، حضرت حاجی صاحبؒ نے مطالعۂ مثنوی کو بطور ورد کے معمول فرمالیا جس سے خاطر اقدس کو ایک حرکتِ بلیغ پیدا ہوتی تھی اور جوش وخروش باطنی چہرۂ مبارک سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔

چنانچہ تکمیل سلوک کا داعیہ رہ رہ کے تڑپانے لگا۔

حضرت میانجیو چشتیؒ کے سپرد : حتی کہ اس درمیان میں ایک دن آپ نے خواب میں دیکھا کہ مجلسِ اعلیٰ واقدس حضرت سرور عالم، مرشد اتم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ و ازواجہٖ واتباعہٖ وسلم۔

میں حاضر ہوں، غایت رعب سے قدم آگے نہیں پڑتا ہے۔ کہ ناگاہ میرے جدامجد حضرت حافظ بلاقی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضور نبوی ﷺ میں پہنچا دیا اور آں حضرت ﷺ نے میرا

ہاتھ لے کر حضرت میانجیو صاحب چشتی قدس سرہٗ (۱) کے حوالے کر دیا، اس وقت تک بعالم ظاہر میانجیو صاحبؒ سے کسی طرح کا تعارف نہ تھا۔

بیان فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا، عجیب انتشار و حیرت میں مبتلا ہوا کہ یارب، یہ کون بزرگ ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دیا اور خود مجھ کو اُن کے سپرد فرمایا، اسی طرح ایک عرصہ گذر گیا۔ ایک دن حضرت استاذی مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میرے اضطرار کو دیکھ کر بکمال شفقت و عنایت فرمایا کہ تم کیوں پریشان ہوتے ہو، موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے، وہاں جاؤ اور حضرت میانجیو صاحبؒ سے ملاقات کرو، شاید مقصود دلی کو پہنچو اور اس حیص و بیص سے نجات پاؤ۔ حضرت حاجی صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت مولانا سے میں نے یہ سنا، متفکر ہوا اور دل میں سوچنے لگا کہ کیا کروں، آخر بلا لحاظ سواری وغیرہ میں نے فوراً راہ لوہاری کی لی اور شدتِ سفر سے حیران اور پریشان چلا جاتا تھا، یہاں تک کہ پیروں میں آبلے پڑ گئے۔ نہایت درجہ کشش و کوشش سے آستانہ شریف پر حاضر ہوا اور جیسے ہی دور سے حضرت میانجیو صاحبؒ کا جمالِ باکمال ملاحظہ کیا تو صورتِ انور کو کہ خواب میں دیکھا تھا، بخوبی پہچانا اور محوِ خود رفتگی ہو گیا اور آپے سے گذر گیا اور افتاں و خیزاں ان کے

---

(۱) قطب ربانی حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ قطبِ وقت حضرت حاجی شاہ عبدالرحیم صاحب شہید ولایتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم و جانشین تھے۔ حضرت ولایتی شہیدؒ سہارنپور میں مسجد ابونبی میں اقامت رکھتے تھے۔ انہیں تین بزرگوں سے انتساب بیعت و اجازت حاصل تھا۔ اول سلسلۂ عالیہ قادریہ قمیصیہ میں قطب زمانہ حضرت سید رحم علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۱۴ھ) سے مرید و مجاز ہوئے۔ پھر حضرت شاہ عبدالباری چشتی امروہویؒ (م ۱۲۲۴ھ) سے بیعت ہو کر نسبت و خلافت چشتیہ حاصل کی۔ آخر میں ماہ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ امیر المؤمنین امام المجاہدین مجدد مائۃ سیزدہم حضرت سید احمد شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ) کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور مجاز ہوئے بلکہ حضرت میانجیو نور محمد جھنجھاوی کو بھی لوہاری سے سہارنپور بلا کر حضرت سید صاحبؒ سے بیعت کرا دیا۔ حضرت میانجیو کو سید صاحبؒ نے اجازتِ طریقہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ (سیرت سید احمد شہیدؒ، ص: ۱/۱۴۱)

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ کی محبت میں ایسے وارفتہ ہوئے کہ اپنی سند ارشاد چھوڑ چھاڑ حضرت سید صاحبؒ کی معیت اختیار کر لی اور سفر و حضر و جہاد میں ہمیشہ ساتھ رہے، حتی کہ سید صاحبؒ کے ہمراہ جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو کر سرفرازی حاصل کی۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ☆ سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

انوارِ محمدی میں ہے: ”حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی مجاہدی غازی شہید کہ در لشکرِ ظفر پیکر حضرت سید احمد صاحب قبلہ در ولایت خراساں شربت شہادت نوشیدند قدس اللہ سرہ العزیز۔“ ص: ۳۰

انوار العاشقین میں ہے: ”آپ نے ہمراہ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بمقابلہ سکھاں ۱۲۴۶ھ میں ماہ ذی قعدہ کی ستائیس کو درجۂ شہادت کبریٰ سے سرفرازی حاصل کی، رحمۃ اللہ علیہ“ ص: ۸۲

حضور میں پہنچ کر قدموں پر گر پڑا۔ حضرت میانجیو صاحب قدس سرہٗ نے میرے سر کو اٹھایا اور اپنے سینۂ نور گنجینہ سے لگایا اور اور بکمال رحمت وعنایت فرمایا کہ ”تم کو اپنے خواب پر کامل وثوق ویقین ہے“ یہ پہلی کرامت منجملۂ کرامات حضرت میانجیو صاحبؒ کی ظاہر ہوئی اور دل کو بکمال استحکام مائل بخود کی۔ الحاصل ایک عرصہ حضرت میانجیو صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں حلقۂ نشین رہے اور سلاسلِ اربعہ عموماً اور سلوک طریقۂ چشتیہ صابریہ کی خصوصاً تکمیل کی اور خرقۂ خلافتِ تامہ و اجازتِ خاصہ و عامہ سے مشرف ہوئے۔ (شمائم امدادیہ، ص:۷تا۱۰، امداد المشتاق، ص:۶ تا ۹)

اجازتِ غیبی کا انتظار: ابتدائی زمانہ میں حضرت حاجی صاحبؒ لوگوں کو بیعت کرنے میں تامل بلکہ انکار فرماتے تھے۔ ۱۲۶۲ھ رجب میں جب حجِ اول سے وطن کو واپس ہوئے تو لوگوں نے بیعت کے لئے اصرار وکوشش سے کام لینا شروع کیا۔ اوّلاً حضرت حاجی صاحبؒ نے انکار فرمادیا اور کچھ اس پر اقدام نہ فرمایا کیوں کہ اجازت غیبی اور حکم الٰہی کا انتظار تھا۔

حاجی صاحبؒ کے مہمان علماء ہیں: مؤلف شمائم امدادیہ کا بیان ہے:

”ایک بار حضرت حاجی صاحبؒ نے تھانہ بھون میں خواب دیکھا کہ جناب سرور عالم ﷺ مع خلفاء راشدین و دیگر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم تشریف رکھتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کی عنایت وشفقت بے انتہا اپنے حال پر مبذول دیکھی اور نیز دیکھا کہ زوجہ (۱) شیخ فدا حسین، والدۂ حافظ احمد حسین (۱) (مہاجر وامین حجاج، مقیم مکہ معظمہ، (زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً) حضرت کے لئے اپنے مکان میں کھانا پکارہی ہیں۔ آں حضرت ﷺ ان مرحومہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تو اٹھ، تاکہ میں امداد اللہ کے مہمانوں کے واسطے کھانا پکاؤں کہ اُن کے مہمان علماء ہیں۔ یہ خواب بیعت لینے کی اجازت اور بشارت تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اُس دن سے علماء وطلباء کا ہجوم زیادہ سے زیادہ ہوا۔ پھر دوبارہ اشارتِ غیبی اس بشارت غیبی کی تائید میں ہوئی اور اربابِ معارف کی فرمائش عموماً اور آپ کے دینی وعرفانی بھائی جناب حافظ محمد ضامن صاحب (۲) نور اللہ مرقدہٗ کی فہمائش خصوصاً اس پر مؤکدتر ہوئی۔ چارو ناچار بیعت لینا شروع فرمایا۔ اولاً چند آدمیوں نے جو عوام سے تھے بیعت کی۔ بعدازاں علماء میں سے جس شخص نے سب سے پہلے بیعت کی، وہ جامع فضل وکمالِ ممکنہ افرادِ انسانی حضرت ابی الحکیم مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تھے اور حضرت کے تمام خلفاء سے کمالاتِ باطنیہ میں گوئے سبقت لے گئے۔ بعدازاں وارث علوم دینی، مستفیض بفیضانِ حضرت

---

(۱) حضرت حاجی صاحبؒ کے حقیقی بھائی فدا حسین صاحبؒ کی اہلیہ اور حافظ محمد حسین صاحبؒ (م ۱۳۱۴ھ) کی والدہ۔

(۲) امام العاشقین حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ (م ۱۲۷۴ھ) خلیفۂ ارشد حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۹ھ) حضرت حاجی صاحبؒ کے مربی اور پیر بھائی

الحاج مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کہ کشفِ اسرار و دقائقِ علوم الٰہیہ من آیۃ من آیات اللہ تھے، سلسلۂ بیعت میں منسلک ہوئے۔ (شمائم امدادیہ، ص: ۱۵، ۱۶، امداد المشتاق، ص: ۲۴، ۲۵)

جذبۂ جہاد: یہ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ ہی کی نسبت باطنی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور ان کے شیوخ و خلفاء کرام کے سینوں میں جذبۂ جہاد موجزن رہا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے مرشدِ اول مولانا سید نصیر الدین دہلویؒ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن والد ماجد کی بیماری اور وفات اور اس دوران میں پیر و مرشد کی شہادت سے ارادہ موقوف ہو گیا۔

میدانِ جہاد: آخر جذبۂ جہاد و شوق شہادت رنگ لایا اور اسلاف کرام و پیرانِ عظام کی سنت ادا کرنے کا وقت آ گیا۔ قدرتِ الٰہی نے ایک اور موقع فراہم کر دیا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ ۱۲۷۴ھ-۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں فرنگی فوج سے برسر پیکار نظر آتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ اور دوسرے جانثار اسلام نے تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر کو دار الاسلام قرار دے کر متوازی حکومت قائم کر لی اور جہاد کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

حاجی صاحبؒ: امام المجاهدین: ''نقشِ حیات'' میں ہے: ''اعلان کر دیا گیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو امام مقرر کیا گیا اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانویؒ کو میمنہ اور میسرہ کا افسر قرار دیا گیا۔'' (ص: ۴۲)

فرنگی حکام کو نکال باہر کیا: ''حیاتِ امداد'' میں ہے: ''چوں کہ مذکورہ بالا حضرات نے جہاد کا فیصلہ کر لیا اور یہ صاحبان اپنی بزرگی، پرہیزگاری اور شخصیت کے اعتبار سے بااثر تھے، اس لئے چاروں طرف سے لوگ جہاد کے لئے آ کر تھانہ بھون میں جمع ہو گئے۔ یہ اجتماع ان ہی امیر المؤمنین حاجی امداد اللہ صاحب کے گرد جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان حضرات نے تھانہ بھون اور اطراف و جوانب میں اپنی حکومت قائم کر لی اور انگریزی حاکموں کو نکال باہر کیا۔'' (ص: ۶۴)

ایک دن معلوم ہوا کہ شاملی ضلع مظفر نگر میں جو تھانہ بھون کے قریب ہے اور سہارنپور سے تھانہ بھون کو چھوٹی لائن پر واقع ہے جو ان دنوں انگریزوں کا فوجی مرکزی مقام بھی تھا۔ انگریز اپنا توپ خانہ بھیج رہے ہیں۔ اس خبر سے مجاہدین کو تشویش لاحق ہوئی اور ان کے استیصال کے لئے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو مقرر کیا گیا۔

حضرت گنگوہیؒ کا چھاپہ: ''نقشِ حیات'' میں ہے: ''سڑک ایک باغ کے کنارے سے گزرتی تھی۔ جب مولانا رشید احمد صاحبؒ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی صاحبؒ نے افسر مقرر کر دیا تھا۔ آپ اپنے تمام ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے اور سب کو حکم کیا کہ پہلے سے تیار رہو، جب میں حکم کروں سب کے سب ایک دم فیر کرنا۔ چنانچہ جب پلٹن مع توپ خانہ باغ کے سامنے سے گذری تو سب نے یک دم فیر کیا، پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کتنے آدمی ہوں جو یہاں چھپے ہوئے ہیں توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحبؒ کے سامنے لاکر ڈال دیا۔'' (ص:۴۴)

معرکۂ شاملی ۱۲۷۴ھ-۱۸۵۷ء: اس فتح سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوگئے اور انہوں نے شاملی کی طرف پیش قدمی کی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ نے ایک لشکر کے ساتھ وہاں سخت حملے کئے اور تحصیل کے دروازے کو آگ لگادی، مسلمانوں نے انگریزی فوج کے چھکے چھڑادیئے۔ مجاہدین میدانِ جنگ میں غالب تھے کہ تقدیر نے پانسا پلٹ دیا۔

حافظ محمد ضامن صاحبؒ کی شہادت: ''حیاتِ امداد'' میں ہے: ''ناگاہ ایسا پانسا پلٹا کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ(۱) کی ناف کے نیچے گولی لگی اور وہ شہید ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل رامپوری، مؤلف انوارِ ساطعہ (م ۱۹۰۱ء) نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا:

شہید ہوگئے ضامن علی پاک نہاد ❁ جواب جن کا نہ تھا کوئی نسلِ آدم میں
ہوئے شہید مگر اک تماشہ دکھلا کر ❁ لہو لہان کیا دشمنوں کو اک دم میں
نہ چھوڑی نام کو گردن کہیں نصاریٰ کی ❁ گلو بریدہ ہے سکہ بھی اُن کا درہم میں
جو مارے تیر تو لگتے ہی جالیا گوشہ ❁ ہزاروں کافر بدکیش نے جہنم میں
خدا کو پیارے ہوئے آخرش شہید ہوئے ❁ نہ دل میں تاب ہے باقی نہ کچھ تواں ہم میں
جو پوچھا سن شہادت کہا فلک نے کہ ہائے ❁ ''ہوئے شہید وہ شاہِ جری محرم میں''

۱ ۲ ھ ۷ ۴

مولانا بیدلؔ نے ایک اور تاریخ بھی نکالی۔

بیدلؔ آں وقت کہ حافظ ضامن ❁ رفت و آراست بجنت سنہ
شاد رضواں شد و گفت ایں تاریخ ❁ ''حافظِ مصحف ایزد آمد''

۱ ۲ ھ ۷ ۳

(حیاتِ امداد، ص:۷۲، بحوالہ ''مونس مہجوران''، نسخۂ خطی در مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ)

اب انگریزوں کی فوج کا پلا بھاری ہوا اور مجاہدین کی پسپائی ہوئی، کمپنی کی قوت بہت زیادہ تھی، انگریزوں نے شاملی کے بعد تھانہ بھون پر قبضہ کرلیا اور جو بھی ہاتھ لگا، اُس کو قتل کرادیا اور ان کے گھروں کو آگ لگادی گئی۔ خانقاہ امدادیہ جہاں بزرگوں کا اجتماع رہتا تھا اُس کو بھی آگ لگادی گئی۔ (ص:۶۵) (جاری)

❁.....❁.....❁

(۱) امام العاشقین حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ کو یقین تھا کہ مجھے آج شہادت کا جام پینا ہے۔ انہوں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ بوقتِ شہادت یعنی نزع کے وقت میرے پاس رہنا۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ آپ کو گولی لگنے کے بعد قریب کی مسجد میں لے گئے اور اپنے زانو پر حافظ صاحبؒ کا سر رکھا اور اسی عالم میں یہ شہید الفت اپنے حقیقی محبوب سے جاملا۔ یہ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کا واقعہ ہے۔ (حیاتِ امداد، ص:۷۱)

خبر نامہ

احوال وکوائف

تعطیل عیدالاضحیٰ کی تکمیل اور تعلیم کا آغاز

عید قرباں کے پیش نظر مورخہ ۵؍تا ۱۷؍ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۳؍مئی تا ۴؍جون ۲۰۲۶ء کے لئے تعطیل عیدالاضحیٰ کا اعلان کیا گیا تھا۔ حسب اعلان تعطیل کے یہ ایام مکمل ہوئے، تمام طلبہ بروقت جامعہ حاضر ہوئے اور ایک توقف کے بعد پھر تعلیم کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ وہیں اسباق کی پابندی اور حاضری کے اہتمام کے ساتھ شعبہ تعلیمات طلبہ کی حاضری پر بھی خاص نگاہ رکھے ہوئے ہے، گویا ایک بار پھر نظام جامعہ حسب معمول محو سفر پیہم رواں ہے۔

ماہانہ امتحان کا انعقاد

ابتدائی عربی درجات کی غیر معمولی تعلیمی اہمیت کے پیش نظر ادارہ میں ماہانہ امتحان کے انعقاد کی زریں و ثمر آور روایت ہے۔ اسی تسلسل اور روایت کو برقرار رکھتے ہوئے مورخہ ۳؍ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۶ء کو ماہِ ذیقعدہ کا ماہانہ امتحان منعقد کیا گیا۔ جس میں طلبہ نے اپنی حسنِ لیاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا، تعطیل عیدالاضحیٰ کی تکمیل کے ساتھ ہی ماہانہ امتحان کے نتائج نشر کر دیئے گئے۔ وہیں حضرات ممتحنین نے امتحان کے تعلق سے اپنے زریں ملاحظات بھی رقم فرمائے جو یقیناً طلبہ کی مستقبل سازی کے لئے معاون ومعین ہوں گے۔

دارالاساتذہ کا تعمیری تسلسل

دارالعلوم وقف دیوبند نے حضرات اساتذہ کی رہائشی سہولیات بہم پہونچانے کی غرض سے گذشتہ دنوں ادارہ سے متصل ایک بڑے رقبہ کو محیط قطعہ اراضی خرید کر دو منزلہ دارالاساتذہ کا تعمیری آغاز کر دیا تھا، اس عمارت کی پہلی منزل کی تعمیر تقریباً آخری مرحلہ میں ہے، رواں ماہ پہلی منزل کا لنٹر ڈالا جا چکا ہے، ادارہ قارئین سے حسن تکمیل کے لئے دعاء کا خواستگار ہے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کا تعاون کیسے کریں؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ نے ادارہ کی ترقی کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ دارالعلوم کو توکل علی اللہ اور عوامی چندے سے چلایا جائے اور اس کے لیے خاص طور پر غریب طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے جو اہل خیر حضرات دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم ارسال کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ:

اپنے حلقوں میں پہنچے ہوئے سفراء کرام (جن کے پاس دارالعلوم وقف دیوبند کا شناختی کارڈ ہو) کو رقومات دے کر رسید حاصل کرلیں۔ منی آرڈر، ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ اپنی رقومات براہ راست ارسال کرسکتے ہیں۔ وصولیابی کے بعد رسید ارسال کردی جائے گی۔ اگر براہ راست بینک اکاونٹ میں رقم جمع کرتے ہیں تو بذریعہ ای میل مطلع کردیں تاکہ اس کی تصدیق کرکے رسید ارسال کردی جائے۔

نوٹ: دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان 80-G کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

تمام اکاؤنٹس کی تفصیلات

دارالعلوم وقف دیوبند کے کرنٹ اکاؤنٹس یونین بینک آف انڈیا، ایکسس بینک اور ایچ، ڈی، ایف، سی بینک میں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

UNION BANK OF INDIA

(1) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	372901010014039
BANK	:	UNION BANK OF INDIA (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	UBININ BBMRT
IFSC CODE	:	537292

AXIS BANK

(2) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	915010029212886
BANK	:	AXIS BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	AXISINBB
IFSC CODE	:	UTIB0002426

HDFC BANK

(3) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	50200002786907
BANK	:	HDFC BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	HDFC INBB
IFSC CODE	:	HDFC0001974

رابطہ کے لیے

Maulana Mohammad Sufyan Qasmi
Mohtamim Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Darul Uloom Waqf Road
Distt. Saharanpur U.P. INDIA Pin-247554

Ph: +91 8439512767
+91 8439412767
Email: rector@dud.edu.in
Website:www.dud.edu.in

RNI UPURD/2010/32139
Published, Printed and Edited by Mohammad Sufyan Qasmi
on behalf of Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Moh. Khanqah, P/o Deoband, Distt. Saharanpur (U.P.) &
Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers,
Moh. Barziyaul Haq, Deoband (U.P.)

RNI UPURD/2010/32139
Postel Regd. No. RNP/SHN/005/2026-28

Vol: 18
Issue : 01
Muharram 1448
July 2026

سیمینار کے موقع پر شائع شدہ کتب

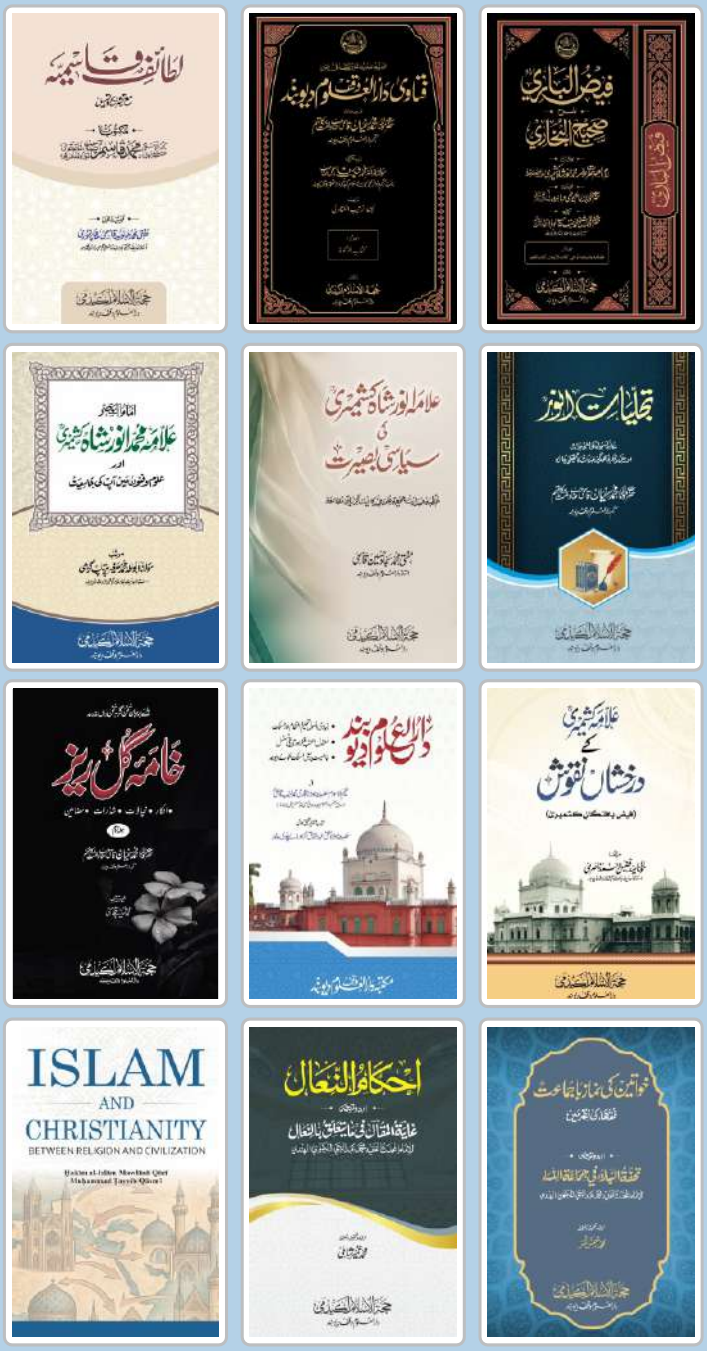

کتابیں منگانے کے لیے رابطہ کریں: **9259987074**

دار العلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان ۸۰ جی کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ

आयकर अधिनियम की धारा 80 जी के आधीन कर मुक्त प्रमाण पत्र
न. सी. न. (238)/कर मुक्ति/ आ. आ. मु. नगर/आ. आधि (तफ)/2009–10/9603

Exempted u/s 80G
No (238)/TAX EXEMPT/CIT MZN/I.T.O. (TEC) 2009-10/9603